قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی — قرآن کریم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاهد من جاهد نفسه — حدیث شریف

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ چکوال

المرشد

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوف بحر علوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

المرشد

دارالعرفان - منارہ، ضلع چکوال

شمارہ ۲ | صفر المظفر ۱۴۰۸ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۸۷ء | جلد ۹

بیاد

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

مدیر مسئول

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

(ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی)

مدیران اعزازی

ابوطلحہ

ملک عبدالغفار

بدل اشتراک

چندہ سالانہ — ۷۵ روپے

ششماہی — ۴۰ روپے

فی پرچہ — ۷ روپے

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ - اردو بازار لاہور

خطاطی : سعید احمد، تعاون شپ لاہور

اس شمارہ میں

- اداریہ ———— ۲
- باتیں اُن کی خوشبو خوشبو ———— ۶
- اسرار التنزیل ———— ۸
  — حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی
- اسلام اور دورِ جدید ———— ۲۳
  — عتیق الرحمٰن کھوکھر
- رہِ بطحا (سفرنامہ حج بیت اللہ) ———— ۲۶
  — حضرت المکرم مدظلہ العالی
- پنجگانہ نماز میں سنتیں و نوافل ———— ۴۲
  — ڈاکٹر محمد دین
- مسواک کی اہمیت ———— ۴۵
  — عبدالغفور

طابع و ناشر: حافظ عبدالرزاق ۔ مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور ۔ مقام اشاعت: دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

عمل خود احتسابی

شیکسپیئر نے اشرف المخلوقات کا مقام متعین کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا تھا کہ " دنیا ایک سٹیج ہے اور انسان ایک ایکٹر ہے " لہٰذا اسے اپنا مقصدِ تخلیق پورا کرتے ہوئے مختلف روپ دھار کر اداکاری کے فرائض سرانجام دینا ہوتا ہے اور بس۔

مغربی فلاسفر کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کا محرک صرف یہ جذبہ ہے کہ کم سے کم وقت میں، کم سے کم محنت سے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کرلے۔

اہلِ دانش کہتے ہیں کہ انسان ایک تاجر ہے جسے سرمایہ لگا کر زیادہ سے زیادہ نفع کمانا ہے۔ البتہ ان حضرات کے نزدیک تجارت کی مختلف قسمیں ہیں۔ مثلاً ایک تجارت وہ ہے، جس میں بنیادی سرمایہ مال و دولت ہوتا ہے۔ عقل، محنت اور وقت ذیلی چیزیں ہوتی ہیں کیونکہ مال و دولت نہ ہو تو باقی عوامل کے لیے میدانِ عمل ہی کوئی نہیں ہوتا... اور اس تجارت کا مقصد زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنا ہوتا ہے۔

ایک تجارت وہ ہے جس میں بنیادی سرمایہ زمین ہوتی ہے جسمانی صلاحیتیں اور مال و دولت ذیلی عوامل ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد بھی مال و دولت جمع کرنا یا اس سے مزید زمین حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ایک اور تجارت وہ ہے، جس میں بنیادی سرمایہ ذہنی قابلیت اور فنی صلاحیت ہوتی ہے اس میں بھی وقت اور جسمانی صلاحیتیں ذیلی عوامل ہوتے ہیں۔

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ :

"PEOPLE ARE NOT PAID FOR WHAT THEY DO BUT THEY ARE PAID FOR WHAT THEY KNOW —"

یعنی لوگوں کو معاوضہ اس بات کا نہیں ملتا کہ وہ "کرتے" کیا ہیں بلکہ معاوضہ اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ "جانتے" کیا ہیں۔ اس کا مقصد بھی وہی دنیوی مال و دولت اور عیش و آرام ہوتا ہے۔

ان مختلف اقسام کے علاوہ تجارت کی ایک قسم اور ہے جو مادہ پرست ذہن کی رسائی سے بہت دور ہے ہاں اس کی نشان دہی خود خالق انسان نے فرمادی۔ ارشاد ہے :

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (۶۱ : ۱۰)

"کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت بتلاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچالے۔"

مگر یہ اطلاع دیتے ہوئے مطلق انسان کو مخاطب نہیں فرمایا بلکہ انسانوں میں سے ایک ایسے گروہ کو مخاطب کیا جسے اپنے خالق کی بات پر اس درجے کا یقین ہے جو انہیں خود اپنے مشاہدہ اور تجربہ پر نہیں — اور یہ اس لیے کہ جو ذہن اپنے خالق سے آشنا ہی نہیں اس کی گرفت میں یہ حقیقت آہی نہیں سکتی۔ اس تجارت کا بنیادی سرمایہ یہی یقین کامل ہے اور انسان کی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں، اس کا وقت اور اس کا سب کچھ اسی یقین کے گرد گردش کرتا ہے۔ اور وہ اس یقین کے نشے سے سرشار ہوکر کہہ اٹھتا ہے :

"میری نماز، میری ساری عبادت میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہانوں کا اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب تسلیم کرنے والوں سے پہلا ہوں۔" (۶ : ۱۶۲/۱۶۳)

اس تجارت میں صورت کے اعتبار سے کرنا وہی کچھ ہوتا ہے جو باقی سب تجارتوں میں کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً وقت دینا، محنت کرنا، مال لگانا، ذہنی اور جسمانی تمام صلاحیتیں اس تجارت میں لگا دینا ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کا مقصد عارضی اور فانی لذت یا نفع یا راحت حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ دائمی اور ابدی زندگی پر نگاہ جمی رہتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے یہاں کا سکون دل اور اطمینان قلب "جھونگے" میں مل جاتا ہے۔

ہر کام کے لیے سلیقہ درکار ہوتا ہے۔ تجارت کرنے کا بھی ایک سلیقہ ہے۔ اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ سال گزرنے پر حساب کیا جاتا ہے۔ بیلنس شیٹ تیار کی جاتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر نفع ہو تو خوشی ہوتی ہے اور حوصلے بلند ہوتے ہیں اور اگر خسارہ ہو تو نہ صرف "تلافی مافات" کا داعیہ پیدا ہوتا ہے بلکہ خسارہ پورا کرکے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی تجویزیں سوچی جاتی ہیں اور تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں اور سابقہ غفلتوں لغزشوں اور غلطیوں کی اصلاح کی کوشش کی جاتی ہے۔

اِس طویل تمہید کے بعد اب میں اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں۔ المرشد کا یہ شمارہ جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ المرشد کی عمر کے نویں سال کا پہلا شمارہ ہے۔ یعنی اس کی عمر کے آٹھ برس مکمل ہوچکے۔ یا یوں کہیے کہ یہ مسلسل آٹھ برس سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ آپ کا وقت آپ کی صلاحیتیں اس کے مطالعہ کی نذر ہوجاتی رہی ہیں۔ لیکن کیا اس کا آپ کے پاس آنا اور آپ کا مطالعہ کرنا کیا کوئی فعل عبث ہے یا محض شغل ہے یا اس کا کوئی مقصد بھی ہے؟ نہیں، یہ بے مقصد نہیں بلکہ یہ ایک تجارت ہے جس میں آپ اور ہم دونوں شریک ہیں مگر یہ تجارت اس قسم کی ہے جس کی نشان دہی خالقِ انسان نے فرمائی۔ اور آپ جانتے تو پہلے ہی تھے مگر ابھی ابھی اس کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ تجارت کا سلیقہ ہوتا ہے۔ اِس سلسلہ میں جو سلیقہ درکار ہے اسے عمل خود احتسابی کہتے ہیں جیساکہ "المرشد" نام کا تقاضا ہے۔ ہم نے اپنی علمی کم مائیگی کے باوجود بساط بھر اس تقاضا کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے، ہم اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کی حقیقت کو وہی جانتا ہے جو علیم بذات الصدور ہے اور سریع الحساب بھی ہے۔ لیکن جہاں تک انسانی صلاحیت کا تعلق ہے، اس کے نقاد آپ حضرات یعنی قارئین ہیں۔ ہم آپ سے بجا طور پر یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ آپ ہمیں اس حقیقت سے مطلع فرمائیں کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے فرائض کی ادائیگی میں کامیاب معلوم ہوتے ہیں۔ اگر نہیں تو آپ ہماری خامیوں کی نشاندہی فرمائیں اور المرشد کے معیار کو بہتر بنانے کے لیے مفید تجاویز اور مشوروں سے نوازیں۔

یہ تو ہوئی تنقید اور یہ احتساب اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔ اِس سے ملتی جلتی ایک اور چیز بھی ہے جسے تفتیش کہتے ہیں۔ جیسے، ہمارے ایک کرم فرما بزرجمہر نے

۱۹۸۶ء میں احباب کو ہدایت کی تھی کہ "المرشد" کو ایک ناول سمجھ کر پڑھنا چاہو تو بیشک پڑھو لیکن حصولِ ہدایت کے لیے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ وہ ناول کی فنی خصوصیات سے یقیناً واقف تھے اور المرشد میں وہ بات نہیں ملتی خواہ کیسی ہی خوردبین کے ذریعے مشاہدہ کیا جائے مگر اتباع مولی ایسی ظالم شئے ہے کہ آدمی کی مت ماری جاتی ہے۔

اِس احتسابی عمل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ اپنے حالات، عقائد، نظریات، عملی زندگی اور اپنے عام رویّہ پر نگاہ کرکے دیکھیں کہ کیا المرشد آپ کی زندگی کے کسی شعبے میں آپ پر اثر انداز ہُوا ہے اور کیا آپ نے "المرشد" سے کوئی تعمیری اثر لینے کی کوشش بھی کی ہے؟ اِس احتساب سے آپ یقیناً اِس نتیجے پر پہنچیں گے کہ کیا کھویا کیا پایا۔ المرشد کی خریداری کے سلسلے میں آپ کی گاڑھے پسینے کی کمائی خرچ ہوئی۔ المرشد کے مطالعہ میں آپ کا قیمتی وقت صرف ہوا۔ آپ نے وقت کی قربانی دی۔ آپ نے اپنے مشاغل اور مصروفیات کو چھوڑ کر المرشد کا مطالعہ کیا۔ تو ان ساری قربانیوں کے بدلے میں المرشد نے آپ کو کیا دیا یا آپ نے اس سے کیا حاصل کیا۔

اِس احتساب کا ایک پہلو اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر آپ نے المرشد کو کسی درجے میں مفید پایا تو کیا آپ نے اپنے حلقۂ اثر میں تعارف بھی کرایا! کیا آپ نے اس کی اشاعت کے حلقہ کو وسیع کرنے کے لیے کوئی کوشش کی۔ خدانخواستہ اگر ایسی کوئی کوشش آپ سے نہ ہو سکی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے المرشد کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ اور اگر یہ بھی کہہ دیا جائے کہ آپ نے اپنے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا تو شاید یہ کہنا بے محل نہ ہوگا۔

اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ اپنی رضا کے لیے ہمیں وہ کچھ کرنے کی توفیق دے جس کی اس نے ہم میں صلاحیت رکھی ہے۔ اور پھر اسے اپنی رحمت سے قبول بھی فرمائے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

ارشاداتِ استاذ المکرم
حضرت مولانا اللہ یار خاں

فرمایا: اعمالِ صالحہ کا نور، نورِ ایمانی سے مل کر قوت اور کمال پیدا کرتا ہے اور قلب کو بینائی عطا کرتا ہے، قلب کو منوّر کرنے اور قائم رکھنے کے لیے نورِ ایمان کی استعداد پیدا کرنا، اعمالِ صالحہ میں کمالات پیدا کرنا ضروری ہے۔

فرمایا: ایک مولوی صاحب، ایک روز میرے سامنے امام مہدی رح کے فضائل شیخین رض کے مقابلہ میں بیان کرنے لگے تو حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے کہا میاں ہوش کی دوا کرو۔ بیشک امام مہدی بہت بڑی ہستی ہوگی۔ باکمال ولی اللہ ہی ہوگا، مگر کہاں صحابی رض، براہِ راست شمسِ نبوت ؐ سے کسبِ فیض کرنے والا اور پھر ابوبکر رض صدیق اور فاروقِ اعظم رض جو صحابہ رض کے بھی سردار ہیں۔ صحابہ کرام رض کی شان بہت بڑی ہے۔ مگر اس عظمت، شان کے باوجود قرآن کریم کا اصول موجود ہے کہ خبردار اگر کوئی بھی باپ ہو یا بیٹا، بیوی ہو یا بھائی، مال و زر ہو یا جائیداد۔ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ؐ اور اس کی راہ سے جہاد سے بڑھ کر عزیز ہیں، تو منتظر رہو کہ اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس کے مخاطبِ اوّل صحابہ رض ہیں یعنی اگر یہ جرم کسی صحابی سے بھی (معاذ اللہ) ہو جائے تو محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم کر دیا جائے گا۔ چہ جائیکہ ہم اس دور کے انسان۔

میاں! دل ایک ہے۔ اور ایک ہی کے لیے رہے گا۔ اگر دوسرا آ گیا تو اضطراب پیدا ہوگا۔ سکون نہیں ہو سکتا۔ ہم جس دور میں ہیں یہ اور بھی نازک ہے۔ اس لیے خوب سمجھ لو کہ بیوی، بچوں، اونٹ گھوڑے اور مال و جائیداد سے تعلق حفاظت کا ہونا چاہیے اور اس کی

محبت ایک حد تک۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق عبادت کا ہو اور محبت غیر محدود ۔ اور ہر الفت پر غالب ہو۔ اگر اس رتبے کو حاصل نہ کر سکے تو پھر چھوڑ بھی نہ دے اور اس کے حصول کا طریقہ ذکر الٰہی ہے۔ یہ جب آتا ہے تو تمام کجی اور رنج نہی دُور کر دیتا ہے اور تمام رذائل کو نکال باہر کرتا ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب پاکر ملکہ سبا بلقیس نے امراء سے مشورہ طلب کیا تھا۔ تو سب نے کہا کہ ہم طاقت میں کسی سے کم نہیں اور لڑنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔ مگر حکم تو آپ ہی کا ہے۔ جیسے ارشاد ہو۔ کہنے لگی تم نہیں جانتے کہ جب بادشاہ بحیثیت فاتح کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اہالیانِ شہر پر کیا بیت جاتی ہے۔ ہر شے برباد کر دیتے ہیں۔ امراء اور بااثر لوگ ذلیل ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح ذکر الٰہی بھی حاکم ہے بہت بڑا بادشاہ ہے۔ جب یہ کسی دل کو فتح کرتا ہے تو کبر و غرور لالچ اور حرص، ہوا و ہوس جو وہاں سردار بنے بیٹھے ہوتے ہیں ذلیل کر کے نکال دیتا ہے تب جا کر دل قلبِ سلیم بنتا ہے۔ اور کشف کی استعداد پاتا ہے۔

• فرمایا: رجال اللہ (مردانِ خدا) کو کوئی تجارت بیع و شراء ذکرِ الٰہی سے، قیام نماز سے اور زکوٰۃ دینے سے مانع نہیں۔ یعنی جن کو دنیا خدا سے دُور کر دیتی ہے وہ مرد نہیں۔ مردانِ خدا پر دنیا کا جادو نہیں چلتا۔ دنیا وہ چیز ہے جو خدا سے، ذکرِ خدا سے، قیام نماز و ادائے زکوٰۃ وغیرہ سے مانع ہو روک دے۔ دنیا ہے خدا سے غافل ہونا۔ لباس، بیوی، بچے، مال و دولت دنیا نہیں اگر خدا سے غافل نہ کر دے۔

فرمایا: فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ وہ مومن اچھا ہے جو لوگوں میں زندگی بسر کرتا ہے اور ان کے ایذا پر صبر کرتا ہے۔ اس سے جو نہ ان میں سکونت رکھنا چاہتا ہے اور نہ اُن کے ایذا پر صبر کرنا چاہتا ہے۔

فرمایا: خواہشاتِ نفسانی کو رضائے باری پر قربان کر دینا یہ ہے منزل فنا فی اللہ کی۔ اور جب اُس اللہ سے جڑ گیا اُس سے تعلق کلی قائم کر لیا تو یہ ہے منزل بقاء باللہ کی۔

• جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اُس نے بڑی مراد پائی۔
• اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑا۔
• نبیؐ زیادہ حقدار ہے مومنوں کا ان کی جانوں سے۔

:○:

اسرار التنزیل

اسلام جہادِ مسلسل کا نام ہے

(حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ...

... فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝

(سورۃ آل عمران : ۱۸۶)

راہِ حق کی تین آزمائشیں

اللہ جل وعلیٰ نے اس آیت کریمہ میں تین طرح کی آزمائشوں کا ذکر فرمایا ہے جو راہِ حق میں ضرور آتی ہیں اور جو مجاہدہ ہونے کے اعتبار سے اپنی انفرادی اہمیت رکھتی ہیں۔

اسلام نام ہی ایک مسلسل جہاد کا ہے۔ اور جہاد سے مراد اپنی پوری طاقت کے ساتھ حق کو نافذ کرنے کے لیے حق کو باقی رکھنے کے لیے حق کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوشش کرنے کا نام ہے۔ چونکہ مسلمان کی جنگ بھی اسی کوشش کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ احقاق حق کے لیے لڑتا ہے، نہ حصول دنیا کے لیے اور نہ اپنے آپ کو کسی پر مسلط کرنے کے لیے۔ اس لیے اسلامی جنگوں کو بھی جہاد کہا جاتا ہے۔ لیکن صرف جنگ ہی جہاد نہیں ہے بلکہ حقیقت جہاد یہ ہے کہ پوری زندگی اپنے آپ کے ساتھ اپنی خواہشات کے ساتھ اپنی ضروریات کے ساتھ مسلسل مقابلہ کرتا رہے اور دین کو اور دین کے نفاذ کو اپنی ذاتی ضروریات پر ہمیشہ ترجیح دے اگر تقابل آجائے تو نقصان ہمیشہ اپنی ضروریات کی طرف کرے اپنی حاجات کی طرف کرے دین کی طرف یا نفاذِ دین کی طرف جہاں تک ممکن ہو جہاں تک انسان کا بس چلے نقصان کو نہ ہونے دے۔ تو گویا اسلام

نام ہی مسلسل جہاد کا ہے۔ اور مجاہدہ جہاد ہی کی ایک صورت ہے۔

مجاہدات دو طرح کے ہوتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مجاہدہ اپنے اندر مشقت رکھتا ہے تکالیف رکھتا ہے۔ جیسے نوافل میں مسلسل روزے رکھنا یا مسلسل صدقات دینا یا مسلسل ذکر اذکار کرنا سحری کو نوافل کے لیے اٹھنا باقاعدگی سے لطائف کرنا یہ سب مجاہدہ ہے۔ اس میں آپ دیکھتے ہیں کتنی مشقت ہے کتنی شدت ہے۔ کتنی تکلیفیں ہیں۔ لیکن ان کی افادیت یا ان کا فائدہ جو ہوتا ہے مجاہدات کا وہ بہت زیادہ ہوتا ہے تکلیف بہت کم ہوتی ہے اور فائدہ بہت زیادہ مرتب ہوتا ہے۔ اٹھنے میں چند لمحے صبح سے پیشتر اٹھ گیا تو اتنی مشقت نہیں ہے۔ لیکن عطا جو اسے صرف ایک لطیفے والے میں بھی تعلق ہے اللہ سے حاصل ہوتی ہے — کم از کم بھی ہوگا تو اس کے پاس ایک لطیفہ ہوگا تو تب ذکر کرے گا۔ ایک لطیفہ والا بھی متعلق تو عالم امر سے ہوتا ہے انوارات تو وہاں سے آتے ہیں۔ اس تکلیف کے بدلے جو اجر مرتب ہوتا ہے وہ بہت زیادہ ہوتا ہے —

مجاہدات دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اختیاری اور دوسرے اضطراری۔ اختیاری مجاہدات وہ ہیں جیسے کوئی محنت کرتا ہے سحری کو اٹھتا ہے وضو کرتا ہے نماز پڑھتا ہے ذکر اذکار کرتا ہے وقت لگاتا ہے مجاہدہ زور سے اور محنت سے

مجاہدات کی اقسام ،

اختیاری اور اضطراری

کرتا ہے۔ یا اسی طرح باقی عبادات میں باقی عبادات کو بخوبی ادا کرتا ہے اور پھر مزید نفلی طور پر بھی محنت اور مشقت کرتا ہے۔ تو یہ سب کیا ہے۔ مجاہدات اور ان پر بہت بڑا اجر ملتا ہے۔ ان ہی سے نفس کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان ہی سے دین کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ان ہی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ ان ہی سے خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ خشیت پھل ہے قرب کا۔

جیسے اللہ کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى (سورۃ طٰہٰ ، ۲۴) .... فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ٥ کہ آپ اسے کہیں کہ کیا تو طلب رکھتا ہے کہ میں تیرا تزکیہ کر دوں اور تجھے اللہ کی طرف راہنمائی کروں اور تجھے اللہ کی بارگاہ میں حاضر کر دوں۔ فَتَخْشٰى اور اس قرب کے نتیجے میں تیرے دل میں بھی اللہ کی خشیت پیدا ہو جائے۔ یہ قرب بہ ہدایت اور اس پہ

مرتب ہونے والی خشیت قرب کا ثمرہ ہے۔
اور قرب الٰہی مجاہدات کا ثمرہ ہے۔ اسی لیے
راتوں راتوں کو اٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہے۔ دن
کو سفر کرتا ہے۔ انفاق حق کے لیے کوشش
کرتا ہے یہ سب مجاہدات اختیاری ہیں اپنی
پسند سے اپنے اختیار سے کرتا ہے۔

دوسرے مجاہدات اضطراری ہوتے ہیں۔
جن میں انسان کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا۔
اپنا کوئی بس نہیں چلتا بلکہ وہ اس کے اختیار
کے بغیر اس پر مسلط ہو جاتے ہیں جیسے
بیمار ہو جانا۔ مومن کا بیمار ہونا بھی ایک
مجاہدہ ہے۔ اس پر بھی اجر مرتب ہوتا
ہے۔ اس پر بھی کیفیات مرتب ہوتی ہیں۔
پھر ان اضطراری مجاہدات کی بھی دو قسمیں ہیں
ایک تو یہ بیمار ہو گیا یا من جانب اللہ اور
کوئی افتاد پڑی۔ کہ وہ معذور ہو گیا۔ چوٹ
لگ گئی۔ ایک تو ہوتے ہیں یہ جو اپنی
ذات اپنے وجود کے ساتھ وقوع پذیر ہوتے
ہیں۔ دوسری قسم کے اضطراری مجاہدات
وہ ہوتے ہیں، جن کا سبب خارجی ہوتا ہے
جیسے کوئی شخص مال لے اڑا۔ پھر ان میں بھی
سخت ترین وہ ہوتے ہیں جہاں اپنی پسند
سے اپنے اختیار سے مال و جان کو اللہ کی راہ
میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے۔ مال بھی
اپنے پاس ہو اختیار بھی اپنے پاس ہو۔
لیکن یا دین بچے یا مال بچتا ہو یا جان بچتی ہو یا
ایمان بچتا ہو تو مال کو ہار دے اور دین کو بچا
لے جان کو ہار دے اور ایمان کو بچا لے۔ یہ
مجاہدہ اضطراری کی دوسری قسم ہے۔ اب
اس میں اس کو اختیار نہیں ہے کہ دونوں
چیزوں کو بچا لے۔

تو اضطراری ہو یا اختیاری ہو۔ مجاہدہ
بہر حال مجاہدہ ہے اور جتنے خلوص سے کیا
جائے گا اس پر اتنا ہی اجر مرتب ہو گا۔
یعنی دوا کوئی اپنی پسند سے پی لے یا کوئی پکڑ
کر اس کے منہ میں ڈال دے، اثر پیدا
کرے گی۔ . . .

اپنے اختیار سے مجاہدہ کرتا ہے تو اللہ کی
طرف سے اس پر مجاہدہ بھیج دیا جاتا ہے
تو دونوں طرح سے اس پر اللہ کے قرب کا اور
اللہ کی خشیت کا اور اللہ کی رضامندی کا اجر
اور ثمرہ مرتب ہوتا ہے تو اس آیت کریمہ میں
اللہ جل شانہ نے ان مجاہدات کا ذکر فرمایا ہے
جو راہ حق میں ہر حال میں موجود ہوتے ہیں،
ممکن ہی نہیں ہے کسی کے لیے کہ وہ ان سے
بچ کر نکل جائے۔

راہِ حق کی پہلی آزمائش
مال و دولت سے

جو بھی اللہ کی راہ پر حق پر دین پر اللہ

کے سیدھے راستے پہ چلے گا اللہ کریم فرماتے ہیں اُس کے لیے یہ تین باتیں سامنے آئیں گی سب سے پہلی کیا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ

اُسے اپنے مال میں اپنی دولت میں آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اُس کی زندگی میں ایسے مواقع آتے رہیں گے جب اُسے اپنا کمایا اپنی پونجی اپنی محنت اور مشقت سے کمائی ہوئی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرنی پڑے گی۔ اللہ کے دین کے لیے خرچ کرنی پڑے گی۔ اور یہ ضروری ہے کوئی بھی دین دار شخص اِس سے بچ نہیں سکتا۔ یہ اِس راستے کی منزل ہے۔ یہاں سے یقیناً ہو کر گزرے گا۔ لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ اللہ کریم تمہیں تمہارے مال و دولت میں جانچیں گے اور یہ دو طرح سے ہوتا ہے۔

کبھی تو تمہیں ناجائز دولت جمع کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اس کے ساتھ اللہ کا حکم موجود ہوگا کہ یہ حرام ہے اسے تو جمع نہ کر۔ اِسے تو حاصل نہ کر۔ یہ اس طرح آزمائش بن جائے گی کہ مال لیتا ہے یا اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔

یا پھر دوسری طرح ایسا موقع پیدا ہو جائے گا کہ وہ خرچ کرنی پڑ جائے گی حالانکہ دل یہ چاہتا ہوگا اپنا بدن اپنا جسم اپنا گھر اپنی ضروریات پہ چاہتی ہوں گی کہ یہ ہم پہ صَرف ہو لیکن اس کے مقابلے میں دین پہ صَرف کرنی پڑ جائے گی۔ فرماتے ہیں لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ تمہیں تمہاری دولت میں آزمایا جائے گا۔

ایک آزمائش تو یقیناً سامنے آئے گی۔ خواہ کوئی ہو۔ بادشاہ ہو تو اُس کی حیثیت کے مطابق۔ فقیر ہو تو اُس کی حیثیت کے مطابق ایسے مواقع اُس کی زندگی میں ضرور آتے رہیں گے جہاں اکثر اوقات اپنی حاجات اپنی ضروریات کو روک کر اللہ کے لیے اپنے پیسے کو خرچ کرے گا۔

راہِ حق کی دُوسری آزمائش
جانوں سے

وَاَنْفُسِکُمْ تمہیں تمہاری جانوں میں بھی آزمایا جائے گا۔ یہ آزمائش بھی کئی طرح سے ہے۔ کبھی تو سِرے سے اپنی جان دینا پڑتی ہے۔ جیسے مجاہد، جو میدانِ جہاد میں جا کر شہید ہوتا ہے۔ کبھی پتھر کھانے پڑتے ہیں۔ کبھی گرم ریت پر لیٹنا پڑ جاتا ہے۔ کبھی کسی کو گرم انگاروں پہ لٹایا جاتا ہے خداوند عالم قادر۔ اگر خدا چاہتا تو ان سب چیزوں کو مسلمانوں سے روک سکتا تھا۔ لیکن اپنی بارگاہ کا دروازہ ہی اُس نے

انسان کی پسند پہ چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ رکاوٹیں ہیں اس راستے کی جو وہاں تک پہنچنا چاہتا ہے وہ انہیں عبور کرکے جاتا ہے۔ اور پھر جتنا کسی کا مقام و مرتبہ ہو اتنی کڑی آزمائش آتی ہے۔ جیسے آپ دیکھ لیں کہ سب سے بڑا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام رضؓ کا ہے۔ تو سب سے کڑی آزمائشیں صحابہ کرام رضؓ پہ آئیں اور انگاروں پہ انہیں لٹایا گیا حتیٰ کہ جسم کی چربی اور خون نے رس رس کر انگارے بجھا دیئے۔ گوشت جل گیا۔ کھال جل گئی۔ لیکن اللہ کی اطاعت سے وہ باز نہیں آئے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹ کر باندھ دیا تھا اور نیچے کپڑے کا دھواں دھکانا شروع کیا تھا۔ اتنا اذیت ناک اور اتنا کرب ناک تھا یہ منظر۔ لیکن اس کے باوجود اللہ کے ساتھ او[illegible] رسولؐ کے ساتھ کیے ہوئے پیمان وفا کو وہ نبھاتے ہی رہے۔ اگر صحابہ کرام رضؓ کی تکلیف کو دیکھا جائے تو آج کا انسان سوچ ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص اپنے محبوب کے لیے اتنی قربانی دے سکتا ہے۔

دوسری طرح کا فی انفسکم ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض اعزہ و اقارب چھوڑنے پڑ جاتے ہیں وہ بھی تو اپنی جانیں ہیں کبھی تو بیٹا چھوڑنا پڑتا ہے کہ وہ اللہ کا نافرمان ہے کبھی بھائی سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ اس راستے میں کبھی رشتہ دار و برادری اس کو چھوڑ دیتے ہیں کہ تم اس ملازم کو نہیں چھوڑتے ہو تمہیں اپنی مسلمانی کی پڑی ہے اس طرح ہم تمہارے ساتھ گزارا نہیں کر سکتے۔ پھر انسان کے لیے ایک کڑی آزمائش بن جاتی ہے کہ دنیا میں عالم اسباب میں اپنی ذاتی طاقت کا ایک بہت بڑا سبب ہوتے ہیں رشتہ دار برادری اور اعزہ و اقارب اور بہت مبارک فعل ہے صلہ رحمی کرنا۔ اعزہ و اقارب کو اپنے ساتھ رکھنے کا اللہ جل شانہٗ نے بڑی شدت سے حکم دیا ہے لیکن تب تک سب یہ چیزیں موجود ہیں جب تک وہ ان کا وجود یا ان کا ہونا دین پر حرف آنے کا سبب نہ بن جائے۔ لیکن اگر ان کا ہونا دین کو رخصت کرنے کا سبب بن جائے تو پھر ان کو رخصت کیا جاتا ہے۔ دین دار کے لیے یہ آزمائش بن جاتی ہے کہ اب کیسے رکھے اور کیسے چھوڑ دے تو اسے کئی جانیں جو اس کی عزیز بھی ہوتی ہیں اسے محبوب بھی ہوتی ہیں ان سے تعلق بھی ہوتا ہے پھر وہ ساری چیزیں چھوڑ چھاڑ کر بھول جانا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ ان کا تعلق اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے اور اس رکاوٹ کو دور کرتے

کے لیے ان افراد سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

تیسری طرح کا ابتلا جانوں میں یہ آتا ہے کہ راہِ حق میں اپنی جان قربان کرنا پڑتی ہے یا اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے قربان کرنے پڑتے ہیں یا اپنے ہاتھوں اپنے بھائی یا عزیز و اقارب میدانِ جہاد میں یا راہِ حق میں نچھاور کرنا پڑ جاتے ہیں۔ اور کم تر درجہ اس کا یہ ہے کہ کم از کم عباداتِ الٰہی پر تو وجود کو کاربند کرنا ہی پڑتا ہے۔ کتنی سردی ہو اور کبھی وضو تو کرنا ہی پڑتا ہے کتنی گہری نیند ہو کبھی اللہ کی عبادت کے لیے اٹھنا ہی پڑتا ہے۔ اور کتنے آرام چھوڑنا پڑتے ہیں اور کتنے شدائد برداشت کرنا پڑتے ہیں جو بعض اوقات اپنا جسم برداشت کرنے سے کتراتا بھی ہے حیلے بھی تلاش کرتا ہے۔ بچنے کی راہیں بھی ڈھونڈتا ہے لیکن اللہ کا حکم ہے اور اطاعتِ الٰہی کے لیے سب کام ضروری ہوتے ہیں تو آدمی کے لیے یہ آزمائش بن جاتی ہے کہ وہ اپنے جسم کی سہولت کو تلاش کرتا ہے یا اللہ کی اطاعت پر کمربستہ ہو جاتا ہے تو یہ دوسرا بہت بڑا امتحان ہے جو اس راہ میں آتا ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ پہلا ہے کہ تمہیں اپنے مال میں آزمائش میں ڈالا جائے گا تمہارا امتحان کیا جائے گا اور وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اور تمہیں تمہاری جانوں میں آزمایا جائے گا۔

راہِ حق کی تیسری آزمائش:

طعنہ و طنز و بہتان

کا مقابلہ

تیسرا اور ان دونوں سے مشکل ایک اور امتحان ہے جو کم از کم ہر سالک کے سامنے ضرور آتا ہے اور راہِ سلوک کے مشکل ترین اور کٹھن ترین وادی ہے اور وہ ہے وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ۝ (آل عمران، ۱۸۶) کہ تمہیں تم سے پہلے دیئے گئے اہلِ کتاب جو موجود ہیں یعنی یہود و نصاریٰ سے یا مشرکین سے بہت ہی زیادہ تکلیف دہ کلمات سننے پڑیں گے۔ یہ بات نہیں ہے کہ سوائے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے اور تم پر کوئی طنز کرے گا ہی نہیں بات یہ ہے کہ اصولاً یہ فعل یہ عادت یہ خصوصیت اُن کی ہوگی جو دین کو اپنی دنیا کا ذریعہ بنا کر اپنی اجارہ داری قائم کیے بیٹھے ہیں۔ جیسے علمائے یہود و نصاریٰ قبل بعثت دین کو اللہ کے احکام کو اللہ کے فرامین کو فراموش کر کے ـــــ قرآن کریم کہتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ پسِ پشت ڈال دیا۔

اور اپنی دنیا کمانے کے لیے مختلف حیلے بہانے اور مختلف احکام پیش کرتے رہتے تھے۔ جب حضور مبعوث ہوئے صلی اللہ علیہ وسلم تو انہوں نے سمجھا کہ دین تو پہلے بھی چھوڑا تھا اب اس شخص کا وجود ہمارے وقار کے لیے خطرہ بن گیا ہے۔ تو ان سے اور تو کچھ نہ بن پڑا لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے آپ پر بہتان لگاتے اور آپ کے لیے طرح طرح کے طعنے تراشتے تھے جو ہر مسلمان کے لیے سب سے زیادہ اذیت دینے والا کام ہے۔ جس کی نسبت مال کا خرچ کرنا بھی آسان تھا جس کی نسبت جان کا دے دینا بھی آسان تھا لیکن وہ کام انتہائی مشکل ترین تھا جو مشرکین اور یہود ونصاریٰ نے اختیار کیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں وَلَتَسْمَعُنَّ تمہیں سننے کو ملے گا اہلِ کتاب سے اَذًى كَثِيرًا بہت ہی تکلیف دہ باتیں اور بہت کثرت سے سننے کو ملیں گی۔ ایک آدھ دو چار نہیں بلکہ بہت کثرت سے سننے کو ملیں گی۔ کبھی تو دین پر طنز ہو گا کبھی احکام شرعی پر طنز ہو گا۔ کبھی کتاب پر نزول کتاب پر ہو گا اور کبھی ذاتِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہو گا اور کبھی تمہاری اپنی ذات پر ہو گا۔

یہ تین راستے کی مختلف منازل ہیں جن میں سے ہو کر ہر دین دار کو گزرنا پڑتا ہے۔ خصوصاً سالک کو ان تین میں سے خواہ مخواہ گزرنا پڑتا اور ان تینوں میں پہلی دو باتیں تیسری کی نسبت آسان ہیں۔ آسان تو وہ نہیں ہیں اپنی ذات میں، اپنے وجود میں تو بہت مشکل ہیں ۔ مال کا دینا بھی اور جان کا دینا بھی لیکن تکلیف دہ باتوں کے سننے سے یاوہ گوئی اور خرافات اور بیہودہ کلمات کے سننے سے جان ومال کا دینا نسبتاً آسان ہے۔

اور اس آیت کا شان نزول بھی یہ ہے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کو یہ کہتے سنا کہ جب صدقات وزکوٰۃ کا حکم نازل ہوا کہ ہم تو غنی ہیں ہمیں اللہ کریم دینے کو کہہ رہا ہے فقیر ہے خود نہیں دے سکتا۔ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاءُ ع (آل عمران ۱۸۱) کہ اگر دینا تھا خدا نے تو اپنے پاس سے دیتا ہمیں دینے کو کہتا ہے زکوٰۃ دینے کو کہتا ہے صدقات دینے کو کہتا ہے۔ تو گویا معاذ اللہ خدا خود تو فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ یہ دراصل دین کے اس حکم پر طنز تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تلوار کے قبضہ پر گیا لیکن پھر رک گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ نے بھیجا تھا آپؓ کو اور حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ اگر کوئی خاص بات ہو تو مجھے آکر بتانا۔ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے میرے پاس ضرور آنا۔ بات سن کر ایک بار ہاتھ تلوار کے قبضہ تک گیا پھر رک گیا۔ اور واپس حضورؐ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے اور جاکر بیان کیا تو اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ یہ تو اس راہ کی منزل ہے۔

تمہیں اس سب میں سے گزرنا پڑے گا۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اور یہ بے دین لوگ تم پر طنز کریں گے تم پر بہتان لگائیں گے تم پر الزام لگائیں گے تمہیں گالیاں دیں گے۔ نہ صرف تمہیں دیں گے تمہارے پیامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیں گے۔ تمہارے معمولات تمہارے فرائض اور واجبات پر طنز کریں گے۔

تو گویا خدا نے لوگوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک وہ ہیں جنہیں مال اپنی ذات اپنے نام اپنے دین پر خرچ کرنے کو کہتا ہے اور دوسرے وہ ہیں جن کا مال خدا قبول نہیں کرتا اور جب خدا ناراض ہوتا ہے تو اُن کی قسمت سے رزق حلال بھی ختم کر دیتا ہے اور وہ چھین کر کھانے والے ہو جاتے ہیں۔ کوئی خرچ کرتا ہے کوئی دیتا ہے اللہ کی راہ میں اور کوئی اللہ کے نام پر لوگوں کو دھوکا دے کر اُن سے وصول کر لیتا ہے۔ یہ دوسری قسم جو ہے یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی لوگ اُن میں سے نہیں ہیں تو اُنہیں سمجھ آجانی چاہئیے کہ یہ خصائص اُن کے ہیں جو انہوں نے اپنا رکھے ہیں۔

دوسرے درجے میں بعض لوگ اللہ کو ایسے پسند آتے ہیں کہ اُن سے جان مانگتا ہے۔ اُنہیں اپنی جان اپنی راہ میں نچھاور کرنے کو کہتا ہے۔ اُنہیں اپنے اعزہ و اقارب اپنے نام پر اپنی ذات پر قربان کرنے کا موقع عطا فرماتا ہے۔

اور کچھ ایسے بے نصیب اور بد قسمت ہوتے ہیں کہ وہ جان لینے والوں میں کھڑے ہوتے ہیں۔ تو وہ بھی انسان ہی ہیں اور اُنہیں اللہ نے اس نعمت سے محروم کر دیا وہ اللہ کی راہ میں جان دے نہیں رہے بلکہ اللہ والوں کی جان لینے پہ نکلے ہیں۔ آگے خواہ قتل بھی ہو جائیں تو وہ ہیں ملعون ہی اور ہیں وہ بدکار ہی اور ہیں وہ جہنم ہی کا ایندھن کہ وہ گئے تو لینے کے لیے تھے۔ جیسے بدر و احد میں یا غزوات مقدسہ میں کافر بھی تو قتل ہوئے اور وہ کافر اللہ کے لیے یا کسی اعلیٰ مقصد کے لیے قربان ہونے نہیں نکلے تھے بلکہ اللہ والوں کی جانیں لینے نکلے تھے۔ مر گئے تو اور بات ہے۔ لیکن خدا نے جب تقسیم کی مومنین کو صحابہ کو اپنی راہ میں جان دینے کو پسند کر لیا اور کفار پر یہ سزا مسلط کر دی کہ اللہ کے نیک بندوں کو ایذا دیں اور اُن کی جانیں لینے کا سبب بن جائیں۔

۳ تیسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں کہ اُن کے دل کو اُن کے ضمیر کو اُن کے دماغ کو اُن کی سوچ کو اُن کے فکر کو اپنے لیے اور اپنی ذات

کے لیے وقف کر لیتے ہیں اور پھر اس کو یوں دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ وہ خود تو جانتا ہے سب کچھ۔ لوگوں پر اس کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ جب اُن کی ذات پر طعنہ زنی ہوتی ہے۔ طنز کیا جاتا ہے تو اللہ کے لیے برداشت کر لیتے ہیں

ایک شخص وہ ہوتا ہے جس پر اللہ کی راہ میں کیچڑ اُچھالا جاتا ہے وہ خوش نصیب ہوتا ہے۔ اور ایک بد بخت ہوتا ہے جو بجائے فائدہ حاصل کرنے کے اُن دین دار یا نیک لوگوں کی بُرائیاں شمار کرنے بُرائیاں چھپاں کرنے تہمتیں لگانے میں لگا رہتا ہے۔ تو ان دونوں کی حیثیت یہ ہوتی ہے کہ ایک گروہ اللہ کو پسند ہے اُس کی آزمائش یوں کی جا رہی ہے کہ اللہ کے نام پر اُس کی ذات پر طعنے کسے جا رہے ہیں لیکن وہ اُن سے بددل ہو کر اپنا راستہ نہیں بدلتا۔

اور دوسرا وہ بدنصیب ہے کہ ایک دین دار ایک نیک اللہ کی راہ پر چلنے والے شخص کو طعنے دے کر اپنی بدکلامی سے اپنی بدزبانی سے رنج پہنچاتا ہے تکلیف کا سبب بنتا ہے۔ دُکھ کا سبب بنتا ہے۔ یہ دُکھ دینے والا شخص جو ہوتا ہے اُسے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ جو فعل وہ کر رہا ہے وہ فعل اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ہے کہ مشرکین کا ہے۔ مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔ تو پھر ان سب کے جواب کا کیا انتظام کیا جائے۔ کیا اہتمام کیا جائے۔ بارِ الٰہا اگر مال بھی تیری راہ میں دینا پڑ جائے جان بھی دینی پڑ جائے یا پھر ان دونوں سے سخت ترین بات خداوندِ عالم نے دیکھا کیسی ترتیب رکھی ہے قرآن کریم میں کہ پہلے مال رکھا پھر جان رکھی کیونکہ جان مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے اور جہاں مال دے کر جان بچتی ہو ایک آدمی بھی جان بچا لیتا ہے۔ مال دے دیتا ہے۔ کسی کو ڈاکو گھیر لیں تو وہ روپیہ دے دیتا ہے اور جان بچا لیتا ہے۔ روپے کے لیے وہ قتل ہونا پسند نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے روپیہ پھر کما لیں گے۔

خداوندِ عالم نے یہ ترتیب رکھی ہے کہ مال پر آزمائش آئے گی اُس سے بڑھ کر دوسرے درجہ میں عزیز ترین متاع جان ہے۔ جان پر آئے گی اور پھر اُس سے بڑھ کر اپنے خلافِ پسند خلافِ ضمیر کچھ کہے سہنا پڑیں گے۔ گالیاں سہنا پڑیں گی۔ طعنے سہنے پڑیں گے بہتان برداشت کرنا پڑے گا۔ گویا اللہ کی بیان کردہ ترتیب میں بھی یہ مشکل ترین مقام ہے کہ کسی شخص کو اللہ کے نام پر بدنام ہونا پڑ جائے۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری شادی کی۔ جب آپ نے شادی کی تو آپ کی عمر کافی تھی۔ لیکن آپ کی

کی غریبیت تھوڑی سی تھی۔ یار لوگوں نے جو پہلے ہی آپ کی ایذا کے درپے رہتے تھے انہوں نے تھوک دینے میں کوئی دیر نہ کی۔ انہوں نے کہا، دیکھو ان کا حال ہے یہ پیر بنے پھرتے ہیں۔ اور انہیں اتنا بھی خدا کا خوف نہیں ہے کہ جو عورتیں مریدوں کی بیٹیاں یا مریدنیاں ہوتی ہیں وہ تو پیر کی بیٹیاں ہوتی ہیں اور یہ اس عمر میں شادیاں مریدنیوں سے کر رہے ہیں۔ یہ دیکھو تماشہ — اور اس بات کو اتنی ہوا دی گئی اتنا پھیلایا گیا کہ ہر طرف سے مولانا کو یہی بات سُننے کو ملتی تھی — تو تنگ آکر انہوں نے طلاق دینے کا فیصلہ کر لیا بلکہ ایک طلاق رجعی دے بھی دی۔ جب انہوں نے طلاق دی تو پاس بیٹھنے والے سب احباب جمع ہو گئے انہوں نے کہا حضرت آپ یہ کیا غضب کرتے ہیں آپ طلاق کیوں دیتے ہیں فرمایا یار یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں ان کی باتیں سُن سُن کر تھک گیا ہوں۔ اس بڑھاپے میں کیا یہ پراپوگنڈہ اور روز نئی بات — تو انہوں نے کہا کہ آپ کی باتیں جو کچھ ہونا تھیں ہو چکیں اب یہ ختم نہیں ہوں گی اب آپ طلاق بھی دیں تو کیا بات کرنے والے رُک جائیں گے وہ تو کرتے رہیں گے۔ لیکن آپ کے طلاق دینے سے اس غریب لڑکا کا یا اس غریب بی بی کا کیا ہوگا جسے آپ طلاق دے دیں گے۔ اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ آپ اسے سزا دے رہے ہیں۔ اس کا تو گھر اُجڑ جائے گا۔ پھر کوئی دوسرا بھی اس کے ساتھ نکاح کرنے پہ تیار نہیں ہو گا۔ تو اس میں جو سزا آپ اس کے لیے تجویز کر رہے ہیں اس کا جواز آپ کے پاس کیا ہے۔ تو وہ تو دین دار آدمی تھے وہ تو گھبرا گئے۔ کہنے لگے یہ تو بڑی زیادتی ہے اور اس کا جواب میں کیا دوں گا تو آپ نے رجعت فرمائی۔ جو کسر پراپوگنڈہ میں پہلے رہ گئی تھی وہ نکاح لوٹانے پر پوری ہو گئی۔ لوگوں نے کہا لو دیکھو بھائی کبھی نکاح کرتے ہیں کبھی طلاق دیتے ہیں کبھی پھر کر لیتے ہیں یہ کیا تماشہ بن گیا۔ تو جب یہ پراپوگنڈہ اپنی انتہا کو پہنچا تو فرمانے لگے کہ مجھے اب سمجھ آئی ہے۔ میں خواہ مخواہ گھبرا گیا تھا۔ یہ گھاٹی تو اس راستے میں ضرور آتی ہے۔ جب سب کچھ ہو چکا تو آپ نے فرمایا کہ میں اب سمجھا ہوں۔ یہ تہمت تراشی اس طرح بہتان اور یہ کثرت کے ساتھ زیادہ باتوں کا سُننا جو ہے اس راہ سے مجھے گزرنا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میں پوری عمر صرف کر کے بالوں کو سفیدی لگا کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ یعنی ساری زندگی اللہ کی راہ میں صرف کی اور سَر اور بھنویں سفید ہو جانے پر اس منزل سے گزرے تو فرمانے لگے کہ میں اب سمجھا کہ یہ تو اس راہ کی ایک وادی تھی۔ یہاں سے تو مجھے گزرنا تھا۔

میں خواہ مخواہ گھبرا رہا تھا۔ تو خداوند عالم جل وعلیٰ نے فرمایا:

یہ تین آزمائشیں اِس راستے میں موجود ہیں لیکن تمہیں کیا کرنا ہے اِس کا حل کیا ہے فرمایا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا (آل عمران: ۱۸۶) کہ تم صبر کرو۔ مال خرچ کرنا پڑے اللہ کی راہ میں تو اپنے مال پہ صبر کرو اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اوقات صرف کرنا پڑیں اللہ کی راہ میں تو انہیں صرف کرو اور صبر کرو۔ جان دینی پڑ جائے تو جان ہار جاؤ اور صبر کرو اور اگر افترا و بہتان اور اذیت دہ باتیں تکلیف دہ باتیں سُننا پڑ جائیں تو صبر کرو۔ اگر دوسرا کوئی اپنی زبان کو آلودہ کرتا ہے تو اُسے کر لینے دو لیکن مومن کو طالب کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اُس کے مقابلے میں اپنی زبان کو آلودہ کرے۔ چونکہ اسلام بُرائی کو مٹانے کا نام ہے بُرائی کو پھیلانے کا نام نہیں ہے۔ کہ ایک شخص تمہارے ساتھ اِس طرح کی باتیں کرتا ہے تو جواباً تم بھی ویسی طرزِ کلام اور اسلوب گفتار اپنا لو تو اِس سے بُرائی بڑھے گی کم نہیں ہوگی۔ اور دین نام ہے بُرائی کو مٹانے اور نیکی کو پھیلانے کا۔ تو اللہ کی راہ میں نیکی کرو۔

ہاں یہ نہ ہو کہ تم اختیار ہی بُرائی کر لو شریعت کو ترک کر دو۔ غلط راستے پہ چلنا شروع کر دو اور کوئی تمہیں سمجھائے کہ یہ راستہ غلط ہے تو تم کہو کہ تم مجھے بُرا کہہ رہے ہو ایسی بات نہ ہو بلکہ تم حق پر چلو انصاف پر چلو نیکی کرو اور پھر کوئی تم پر کیچڑ اُچھالے تمہیں بُرا کہے یا تمہیں گالیاں دے۔

پہلا درجہ بہتان کا ہوتا ہے لیکن جب کوئی شخص اِس حد تک عاجز آ جائے کہ وہ سمجھے کہ میں اِس آدمی پر بہتان بھی نہیں باندھ سکتا۔ اس کا کردار اتنا مضبوط ہے کہ میرے بہتان اس پر اثر نہیں کرتے تو آخری درجہ بد کلامی کا ہوتا ہے یا گالی دینے کا ہوتا ہے جو ہر طرف سے عاجز

راہِ حق کی آزمائشوں میں صبر و تقویٰ کا حُکم۔

ہو جائے تو اللہ کریم فرماتے ہیں اُس کا جواب بھی مومن کے لیے صبر ہے اور صبر کرے اور تقویٰ اختیار کرے اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا صبر اِس لیے کرے کہ اُسے اللہ سے حیا آتی ہو۔ تقویٰ اِسی حیا کا نام ہے۔ تقویٰ اِس کیفیت کا نام ہے جو اللہ کے حکم کے خلاف کام کرنے سے روک دے اور انسان کے دل میں خدا سے حیا پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کے سامنے اللہ کا بندہ ہو کر اور نہ صرف بندہ بلکہ اُس کا طالب بن کر اُس کے قرب کا متلاشی بن کر اُس کے ملک میں اُس کی کائنات میں اُس کی خدائی میں اُس کے سامنے اُس کی نافرمانی کیسے کر سکتا۔

ہوں۔ اُسے اس بات سے حیا آئے کہ میرا اللہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ اِسے تقویٰ کہتے ہیں۔

تو فرمایا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اگر تم صبر کرو اور نیکی کا راستہ اختیار کرو اللہ کی اطاعت کا راستہ اختیار کرو۔ فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ تو یہ بہت بڑا کام ہے۔ بہت بڑی ہمت کا کام ہے۔ دنیا میں کر جانے کا کام یہی ہے جو کوئی بہت بڑا شخص ہی کر سکتا ہے جسے اللہ جل شانہٗ نے فراخ دلی سے نوازا ہو اور جسے بہت زیادہ اپنی نوازشات سے مالامال کر دیا ہو وہی یہ بات کر سکتا ہے کہ یہ بہت ہمت کا کام ہے بڑی قوت اور بہت عظیم ارادے کا کام ہے کہ محض اللہ کے لیے اس دنیا میں کوئی ذاتی مفاد نہ ہو۔ کوئی غرض وابستہ نہ ہو۔ احقاقِ حق کے لیے احیائے دین کے لیے رضائے باری کے لیے۔ اللہ کی راہ میں کوئی شخص گالیاں تو کھائے لیکن جواب گالی سے نہ دے اور اپنی زبان کو اللہ کی مدح و ثنا میں صرف کرے اُس میں محو رکھے۔

جیسے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے کسی نے کہا تھا کہ ہم نے تو آپ کی زبان سے کبھی شیطان کی بھی بُرائی نہیں سُنی تو آپ نے فرمایا کہ جتنی دیر شیطان کو بُرا کہوں گی اُتنی دیر اللہ کو بھلا کہنا مجھے زیادہ عزیز ہے کہ وقت بھی لگے زبان بھی چلے بات بھی منہ سے نکلے تو وہ شیطان کی بُرائی بیان ہو۔ اِس کے بجائے میں اللہ کی بڑائی کیوں نہ بیان کروں۔ اللہ کی عظمت کیوں نہ بیان کروں۔

تو فرمایا اگر کوئی یہ وطیرہ اختیار کرے کہ وہ دین دار اور نیک لوگوں کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دے تو اُس شخص کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ یہود و نصاریٰ کا اور مشرکین کا شیوہ ہے۔ یہ خدا کے بندوں کا شیوہ نہیں ہے۔ دیندار لوگوں کا وطیرہ نہیں ہے لیکن دین دار لوگوں کو ان چیزوں کو برداشت کرنا ہوگا کیونکہ یہ اس راہ کی مصیبتیں ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا تھا اس بات کو کہ اہل اللہ کے ساتھ اگر کوئی شخص بدسلوکی کرے اُن کی بے عزتی کرے اُن کا احترام نہ کرے یا اُن کا انکار کر دے قبول نہ کرے۔ تو آپ نے فرمایا ولی اللہ کا انکار کفر نہیں ہے۔ ولی کی ولایت کا انکار کر دینا کفر نہیں ہے نبی کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ولی اللہ ہے اور ہم اسے ولی اللہ نہیں سمجھتے تو اس سے کافر نہیں ہو جائیں گے لیکن فرمانے لگے کہ پھر بھی انکار نہ کرے۔ انکار اگرچہ کفر نہیں ہے لیکن انکار کرنے والے عموماً مرتے کفر پر ہی ہیں۔ کیونکہ یہ انکار اہل اللہ کی برکات سے محروم کر دیتا ہے تو فرمایا اگر اُن سے استفادہ نہ کرے تو اُن کا انکار نہ کرے۔ اس بات کا ضرور اقرار کرے کہ یہ شخص نیک ہے یہ اور بات ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ نہیں چل سکتا میں استفادہ

نہیں کر سکتا اور پھر اگر کوئی اُن کی توہین ہی پر اُتر آئے تو وہ تو بہت پہلے فیصلہ کر دیا تھا مولوی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ نیکاں کند

کہ جب خدا کسی کو تباہ کرنا چاہے تو پھر اُس کی زبان کو نیک لوگوں پہ طعنہ زنی کرنے میں لگا دیتا ہے — یعنی یہ اللہ کی طرف سے بطور سزا مسلط ہو جاتا ہے بعض لوگوں پر — کہ جب اُن کے کسی فعل پر اللہ اُن سے ناراض ہوتا ہے تو سزا کے طور پر انہیں اپنے نیک بندوں کو گالیاں دینے پہ لگا دیتا ہے، اُن کا یہ فعل اُن کے لیے مزید غضب الٰہی کا اور مزید تباہی و بربادی کا سبب بنتا ہے۔ تو یہ افعال قبیحہ جو ہوتے ہیں اپنے پہلو میں کفر کو ساتھ رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی روش ہے یہ مشرکین کی روش ہے یہ۔ یعنی یہ فعل کفر کے نتیجہ میں صادر ہوتے ہیں اور جو فعل کفر کے نتیجہ میں صادر ہوتا ہو اُسے اختیار کر لیا جائے تو پھر رفتہ رفتہ اُس کے نتیجہ میں کفر تک بات پہنچ جاتی ہے۔

جیسے تمام عبادات کو بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوا ان سب کا ماحصل ذکر الٰہی ہے لیکن اگر کوئی ذکر الٰہی شروع کر دے تو نتیجتاً وہ عبادات اُس کے لیے سہل ہو جاتی ہیں اور اُس کا مزاج اُس طرف جاتا ہے حالانکہ ذکر نتیجہ اور ماحصل ہے تمام عبادات کا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ سب سے عظیم شے ہے اور تمام مقامات کے بعد حاصل ہوتا ہے ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ الزمر: ۲۳) تمام مجاہدات کے بعد جا کر یہ منزل آتی ہے کہ دل ذاکر ہو جائے۔ گوشت پوست ذاکر ہو جائے کھال ذاکر ہو جائے ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ کھال و جود گوشت پوست وَقُلُوْبُهُمْ دل — یعنی نہ صرف دل بلکہ سارا وجود ذاکر ہو جائے یہ مقام نصیب ہوتا ہے بڑے مجاہدات اور عبادات کے بعد۔ لیکن اگر کوئی ذکر شروع کر دے اور اللہ اللہ کرنا شروع کر دے تو پھر اِس کے نتیجہ میں عبادات سہل ہو جاتی ہیں اور وہ توفیق ارزاں ہو جاتی ہے۔ اگر کافر کو بھا دو اللہ اللہ کرنے پر مسلسل کرتا رہے تو خدا اسے ایمان نصیب کر دیتا ہے۔

یعنی باقی تمام عبادات جو ہیں اُن میں خلوص شرط ہے۔ اگر ریا ہو تو عبادت کو کھا جاتی ہے نرا نہیں ہوتی۔ ذکر ایک ایسی نعمت ہے کہ کوئی ریاکارانہ طور پر دکھاوے کے لیے شروع کر دے ترک نہ کرے مسلسل کرتا رہے خلوص پیدا ہو جائے گا۔ اور اُس شخص کو نیکی کی طرف لے جائے گا۔

یہاں مولوی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک

عجیب مثال لکھی ہے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے صابن کپڑے کو لگایا جائے تو ریا سے ذکر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی عدم توجہی سے کپڑے کو صابن لگاتے لیکن پھر بھی وہ میل تو ضرور کاٹے گا تھوڑا سہی۔ تو یہ اتنا بڑا ثمرہ عبادات کا اگر یہ شروع کر دیا جائے تو ریا سے نتیجۃً وہی چیزیں حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہیں جن کا یہ نتیجہ ہے۔

اسی طرح خدا کے نیک بندوں کو گالیاں دینا یہ کافروں کا وطیرہ ہے۔ کفر کے نتیجہ میں یہ ذہنیت بنتی ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ وطیرہ اختیار کرے تو عین ممکن ہے کہ یہ راستہ اُسے کفر تک لے جائے۔ اور دوسری طرف اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا صبر کرو۔ اگر صبر کو اپناؤ اور اللہ سے حیا کو اور تقویٰ الٰہی کو اختیار کرو وَاِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ کرنے کا کام یہی ہے۔

چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُس شخص کو معاف فرما دیا۔ آپ نے اُس پہ کوئی گرفت نہ کی۔

اور آپ دیکھیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی مقدس زندگیوں کو کہ کوئی ایک صحابی بھی ایسا نہیں ہے جس پہ یہ ساری آزمائشیں بیک وقت نہ پڑی ہوں ہر شخص پر اُس کی ہمت اور حوصلے کے مطابق وقت آتا ہے تو سب سے پہلے جو لوگ تھے اُنہیں ساری جائداد سارے مال گھر بار قربان کرنے پڑے اللہ کی راہ میں جانیں ہارنا پڑیں۔ اعزہ و اقارب میدان میں جا کر کٹوانے پڑے۔ اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد یار وہ اتنے عظیم لوگ تھے کہ آج بھی جس شخص پہ خدا ناراض ہو جائے وہ اُنہیں کو بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔ یعنی وہ اتنے عظیم لوگ تھے کہ آج بھی اسلام کی ڈھال وہی ہیں اور آج بھی کوئی کسی طرح سے اسلام کو ڈھانے کی کوشش کرے آج بھی کسی طرح سے اسلام پہ حملہ ہو کر حملہ کا تصادم پہلے اُنہی سے ہوتا ہے اور وہ سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے ہیں اسلام کی۔ آج بھی وہی ہیں۔ اگر قادیانی کا دماغ خراب ہوا تو اعتراض صحابہ پر شیعہ تحریک پیدا ہوئی تو انہیں اعتراض صحابہ پہ رہا ہے۔ منکرینِ حدیث پیدا ہوئے تو اُن کا اعتراض بھی صحابہ پہ ہے۔ کوئی بابی اور بہائی پیدا ہوئے تو اُن کا اعتراض بھی صحابہ پہ ہے یعنی جہاں سے بھی اور جس پر بھی اللہ ناراض ہو گیا اسے دین سے خارج کر دیا تو اُس کی زبان سب سے پہلے اُن ہی مقدس ہستیوں پہ چلی۔ یہ اُن کا اتنا بلند اور اہم مقام ہے کہ جس طرف سے کوئی زبان کی قینچی چلے تو سب سے پہلے وہ اپنی جان پیش کرتے ہیں اور آج بھی یہی حال ہے۔ یعنی یہ اُن کے خلوص کا قربِ الٰہی کا کمال اور ثمرہ یہ ہے۔ وہ دنیا سے گزر گئے اُنہیں صدیاں بیت

بیت گئیں چودہ سو سال ہو گئے لیکن اسلام کی راہ میں ابھی تک ایذا دیے جاتے ہیں۔ راہِ حق میں ابھی تک قربان ہوتے ہیں۔ وہی بات ہے ان کی وَلَتَسْمَعُنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا۔ آج بھی بہت تکلیف دہ ایذا دینے والی باتیں اور بہت خلاف مزاج باتیں بھی سننے ہیں۔

اگر کسی کو یہ چیزیں راہِ حق میں پیش آئیں اُسے گھبرانا نہیں چاہیئے کہ یہ اُس کی قبولیت کی دلیل ہیں۔ خدا اُن لوگوں میں سے نہ کرے جو اللہ کے نیک بندوں پر کیچڑ اُچھالنے والے ہوتے ہیں۔ بچنا اس بات سے چاہیئے کہ خدا ہماری زبان کو بدکلامی اور بدزبانی سے آلودہ نہ کرے۔ اور خدا ہمیں اپنی راہ میں مال دینے اور مال قربان کرنے والوں میں رکھے اپنے نام پر لُوٹنے والوں میں شمار نہ کرے۔ خدا ہمارے اوقات کو ہماری محنت کو ہمارے مجاہدات کو اپنی جان کو اپنی راہ میں قبول فرمائے۔ اور ہمیں دوسروں پر مسلط ہو کر شادیانے بجانے والوں میں شامل نہ فرمائے کہ اصل یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی راہ میں قربان کی جائیں۔ وقت اللہ کی راہ میں دیا جائے۔ اللہ کے دین کو اللہ کے بندوں تک پہنچایا جائے اور اُس راہ میں اپنی جان کو بھی تکلیف میں ڈالا جائے اپنا مال بھی خرچ کیا جائے۔ اور پھر اسی راہ میں یہ سب کچھ کرنے کے بعد جب کوئی بدکلامی یا بدزبانی کرے تو اس بے گوارا کر لی جائے کہ میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا کہ یہ کام خدا کا ہے خدا کے پیغمبر ؐ کا ہے۔ بزرگانِ دین ؒ کا ہے صحابہ رضؓ کا ہے۔ مشائخ عظام کا ہے۔ میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ خواہ ساری زندگی کوئی بُرا بھلا کہتے رہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یہ بہت بڑا کام ہے۔

کوئی انسان اللہ کے قرب کا متلاشی ہے۔ عظمت کا متلاشی ہے عزت کا متلاشی ہے۔ جو ساری قربِ الٰہی میں پوشیدہ ہیں تو اُسے یہ وطیرہ اپنانا چاہیئے۔

خداوندِ عالم ہماری عاجزانہ کوششوں کو قبول فرمائے۔ اور استقامت اور توفیقِ عمل ارزاں فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

"المرشد" کے پیغام کو ہر گھر تک پہنچانے کے لیے ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ آپ کی یہ دینی خدمت رائیگاں نہیں جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اسلام اور دورِ جدید

(عتیق الرحمٰن کموکھر)

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس نے جب کائنات کو تخلیق فرمایا تو ہر شے چاہے وہ مادی تھی یا غیر مادی اس کے اندر کوئی نہ کوئی وصف ضرور رکھا۔ اب کائنات کی ہر شے اپنے پورے وجود اور اپنی پوری کوشش سمیت کارخانہ قدرت میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال کر رہی ہے۔ جب یہ نظامِ تخلیق مرتب ہو گیا، اپنے عروج کو پہنچا، مکمل ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات اطہر نے ان پر حکمرانی کے لیے اپنا نائب اور خلیفہ بنی آدم کو چُنا اور جتنی صلاحیتیں اللہ پاک کی ذات نے تمام مخلوقات کو عطا فرمائیں ان تمام کو یکجا فرما کر انسانیت کے حوالے کر دیں تاکہ یہ ان چیزوں سے اللہ کی ذاتِ اقدس کو پہچانیں اور اس کی رحمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ لیکن ابتدائی دور میں ہُوا یہ کہ انسان کا ازلی دشمن نفس اور شیطان، خدا اور بندے کے درمیان حائل ہو گئے۔ اس

گردشِ دوراں کی صفائی اور اصلاح کے لیے اللہ پاک نے اپنے معصوم بندوں کو مبعوث فرمایا تاکہ انسانیت کی تذلیل نہ ہو۔ چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس لیے اس کی سوچیں، اس کا عمل اس کا کردار بھی اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا غماز ہو۔ اگر انسان ایسا نہ کر سکے تو وہ بندہ تو رہتا ہے لیکن بندگی سے خالی ہو جاتا ہے۔ اس ٹوٹے ہوئے رشتے اور سلسلے کو ملانے کے لیے وقتاً فوقتاً نبیؑ اور رسولؑ بھیجے تاکہ وہ انسان کی لاشعوری غلطیوں اور لغزشوں کو اللہ کریم کی رحمتوں سے ملاتے رہیں۔ اس کام پر اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء کو مقرر فرمایا۔ یہ سلسلہ مختلف ادوار سے گزرتا ہوا ہمارے پیارے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات تک بام عروج کو پہنچا۔ اور مکمل ہوا۔

اب تھوڑا سا عقلِ انسانی کو استعمال کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔ جو بھی علم مختلف انبیاء کو، رسولوں کو عطا ہُوا، جو بھی شریعت ان کو عطا فرمائی گئی ان کو ہم کو اکٹھا کر کے قرآن پاک اور سنّتِ رسولِ اقدس کا نام دیا گیا۔ یہ تمام علوم، چونکہ اللہ تعالےٰ نے براہِ راست انسانیت کو دیئے اوران کے لیے دیئے۔ اب جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات بہتر سمجھتی ہے۔ جو سوائے کا معیار اللہ پاک کا ہوسکتا ہے۔ جو پیمانہ اللہ کریم نے بہتری کا عطا کیا تو حقیقتاً وہی بہتری ہے۔ چونکہ ذات باری تعالیٰ کو بھی انسان کی عزّتِ نفس کا پاس ہے اس کی شرم مقصود ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر اس کی رہنمائی فرمائی۔ اس کے عقائد درست کرائے اور انسانی زندگی کا ایک راستہ نبی کریمؐ کی شریعت کو ان کی اپنی زندگی گزار کر عملی نمونہ کے طور پر پیش کر دیا۔

ان تمام چیزوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ " اسلام دنیا کی ہر اچھائی کا نام ہے۔" ہر اچھا عمل چاہے وہ خدا نے حکم دیا چاہے وہ حدیث سے ملے یا سنّت میں موجود ہو اور اس کے علاوہ سب سے بڑی بات چاہے وہ اُمّت کے فقہاء نے اجماع سے حاصل کیا ہو وہ اسلام کے دائرۂ عمل میں آئے گا۔ ان چیزوں سے باہر انسان کی بہتری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ منبعِ احکامات قرآنِ حکیم ناقابلِ تردید اور ناقابلِ ترمیم ہے۔ ناقابلِ تردید اس لیے لکھ رہا ہوں کہ اس کو شاید دوسرے مذہب کا آدمی بھی پڑھے تو یہ لفظ اس کو دعوتِ فکر دے گا۔

ہم اسلام کے بنیادی افکار و نظریات کا آج کے دور سے موازنہ کریں تو آج کی تمام ایجادات اسلام کی عملی تفسیر ہیں۔ تصوف پر غور کریں تو کس طرح انسان کی باطنی آنکھیں دوسروں کو پہچانتی ہیں۔ ٹیلی ویژن لہروں سے دوسروں کو نظر آتا ہے اسی طرح کوئی باطنی نظروں والا کائنات کو دیکھتا ہے۔ ریڈیو بھی اس کی نمائندگی کرتا ہے — ٹیلی فون سے بغیر ایک دوسرے کو دیکھے اپنا پیغام دیتے ہیں۔ یہ روحانی معاملات اور تعلق سے متعلق ہے۔ غرض کسی بھی ایجاد کو لے لیں چاہے وہ ٹیلی ویژن۔ وی سی آر۔ ریڈیو۔ ٹیلی فون۔ موٹر کاریں خلائی سٹیشن، ہوائی جہاز۔ ایٹم ہی کیوں نہ ہو، ہر چیز اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسا پہلو ضرور رکھتی ہے جس سے اسلام اور خصوصاً تصوّف کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالےٰ نے انسان کی فطرت کے مطابق بنائی ہیں۔ ہمیں ضرورت نگاہِ عبرت حاصل کرنے کی ہے۔

اِس مادی دور میں چونکہ حضرتِ انسان اتنا وقت نہیں دے سکتا کہ وہ اسلامی کتب کا مطالعہ جاری رکھ سکے۔ ہم نے دین کی فکر چھوڑ دی جو مسلمان تھے وہ بھی دین کو سمجھنے میں پس و پیش کر رہے ہیں بلکہ بیگانہ ہو رہے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روح کو، انسان کی اپنی اچھائی کو، بہتری کو بیٹھے بٹھائے اس حد تک پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ حضرتِ انسان جوں جوں دین سے پرے اور ہوس کے پیچھے بھاگ رہا ہے اللہ پاک کی ذات نے ایسا انتظام فرما دیا کہ کوئی ہستی چاہے وہ افریقہ کے جنگلات کی رہنے والی ہو یا کہ برِاعظم امریکہ کے جزیروں میں پناہ گزیں قرآن پاک کے ہر حکم اور پیغام کو اُس تک پہنچایا قرآن مجید کے ہر حکم میں، ہر کام میں ایک فکر ہے، ایک پہلو ہے، ایک تلاش ہے اور وہ تلاش ہے رضائے الٰہی۔

بعض دفعہ انسان گناہ بھی کرتا ہے لیکن اس کے اندر اس گناہ کی کسک ہوتی ہے وہ کسک بھی انسان کو ثواب تک لے جاتی ہے۔ وہ کسک ہی خوفِ خدا ہے اُسی کی بنیاد پر ہم رضائے الٰہی ڈھونڈتے ہیں اور ہم احکاماتِ شریعت کی پیروی کی کوشش کرتے ہیں۔

آج ہم نے مذہبِ اسلام کی سوچ کو اس کی اصل روح یعنی فکر کو اپنے سے علیحدہ کر دیا ہم نے جنت اور دوزخ کی حقیقت کو بھلا دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم خدا سے دُور ہو گئے۔ چونکہ ہر انسان کا مطمحِ نظر، ہر مخلوق کی منزل، ذاتِ باری تعالیٰ ہے تو نبی اقدس ﷺ پر ایمان لانے والا شخص درمیان میں کسی بھی رابطے، کسی بھی جگہ کو قبول نہیں کر سکتا۔ اپنے نبی ﷺ کے واسطے سے وہ خدا ہی کا متلاشی ہے۔ کیونکہ مخلوق چاہے دولت کی شکل میں ہو یا جنت کی شکل میں ہماری منزل نہیں ہے۔ دراصل جنت بھی خدا کی رضا کا نام ہے اور دوزخ اس کی ناراضگی کا۔ تو کیوں نہ ہم خدا کی رضا کو مطلوب بنائیں، اپنے کاروبار میں، اپنے معاملات میں، اپنے لین دین میں، اپنی نمازوں میں، اپنے ایمان میں، غرض کہ ہر جگہ اس طریقۂ کار کو سامنے رکھیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کے عمل سے ہمارے لیے مشعلِ راہ بنایا۔ کیونکہ یہ سودا ہے اگر اپنے تمام افکار کو خدا کے لیے وقف کر دیں گے تو کل جب خدا کے حضور ہماری حاضری ہو گی تو وہ ہمیں اپنی رضا سے سرفراز فرمائے گا بلکہ ہماری رضا "دیدارِ الٰہی" ہے تو اللہ پاک ہماری رضا کو اس وقت اپنے سامنے رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ صادر فرمائیں گے۔ اور اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے۔

اگر آپ تاریخ کائنات پر نظر دوڑائیں تو یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ کو، پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، حضرت سلطان باہوؒ، حضرت باباجی قطب الدینؒ، حضرت جناب استاد المکرم مولانا اللہ یار خان صاحبؒ، ان تمام حضرات کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو پتہ یہ چلتا ہے کہ ان کو مقاماتِ عالیہ اس لیے عطا ہوئے،

(باقی صہ ۴۸ پر)

تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم

رہِ بطحا

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

۴ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ہجری

۳۰ جولائی ۱۹۸۷ء

رمضان المبارک اپنی تمام برکات کے ساتھ بہت مصروفیت بھی لایا۔ پچھلے کئی سالوں سے احباب یکم رمضان سے دارالعرفان میں جمع ہو جاتے ہیں۔ تراویح ہوتی ہے۔ ختمِ قرآن کی برکات سے مستفید ہوتے ہیں اور پھر اعتکاف تو گویا اللہ اللہ کی بہار کا موسم ہوتا ہے۔ سینکڑوں احباب دارالعرفان میں معتکف ہوتے ہیں۔ رات دن ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ کلامِ پاک میں بسر ہوتے ہیں۔ یہ سب اس ذاتِ کریم کا کرمِ عظیم ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

یہ سال اپنی نوعیت کا مصروف ترین سال ثابت ہوا پہلے سالوں کی نسبت عرض کر رہا ہوں۔ آئندہ تو اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

جنوری نصف میں صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب دارالعرفان تشریف لائے۔ ظاہر ہے کہ اس پسماندہ علاقہ کی معلوم تاریخ اس بات کی قطعاً گواہی نہیں دیتی کہ کبھی کوئی سربراہِ مملکت اس طرف سے گذرا بھی ہو۔ ان کی آمد اپنے ساتھ مصروفیات لائی اور یوں ۹ جنوری کو صفارہ اکیڈمی کا افتتاح صدرِ محترم کے ہاتھوں سے ہوا اور علاقہ کے لوگوں نے ملک کے سربراہ کو قریب سے دیکھا۔ باتیں کیں درخواستیں دیں اور ایک سادہ مگر پُروقار تقریب انجام پائی جس کا ہر لمحہ اللہ جل شانہٗ کی عظمت پر دلالت کرتا تھا اور جب

میں عام آدمی، سرکاری افسر، فوجی جرنیل اور صدرِ مملکت سب ایک ہی ذات کی تعریف کر رہے تھے۔ وہ ذات جو واقعی تمام تعریفوں کی مستحق ہے۔ یہی ایک بات اس تمام تقریب کی جان اور اس کی انفرادی خصوصیت تھی۔

اس کے بعد ایک دورہ ضلع سرگودھا کا کیا اور جنوری کے آخر میں کراچی پہنچا۔ محافلِ ذکر اور بیان ہوئے۔ ناران کلب کے احباب سے مفید ملاقاتیں اس دورہ کی جان ہیں۔ پھر وہیں سے ابوظبی، دوبئی، شارجہ اور جدہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ ہوتے ہوئے فروری کے آخر میں واپس پہنچ سکا۔

مارچ کے پہلے دو ہفتے دارالعرفان میں اجتماع تھا اور آخری دو ہفتے راولپنڈی، کھاریاں، سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کی نذر ہوئے۔

اسی طرح اپریل کے اوّل دن اجتماع رہا اور آخری نصف صوبہ سرحد کے دورہ میں بسر ہوا۔

مئی میں رمضان شریف تھا جس کی بہار جوبن پر تھی۔ تین صد سے زائد لوگ دارالعرفان میں معتکف تھے۔ اور آنے جانے والوں کو شمار کریں تو اوسط روزانہ حاضری کی پانچ صد کو پہنچتی ہے تقریباً چالیس احباب کو فنا فی الرسول میں روحانی بیعت نصیب ہوئی۔ اسی سے دوسری برکات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

اور جون میں سالانہ اجتماع شروع ہو گیا مگر بندہ چند احباب کے ہمراہ جون ۴ کو یورپ اور امریکہ کے دورہ پر چلا گیا۔

میرا یورپ و امریکہ کا یہ پہلا سفر تھا۔ عمرہ میں حاضری کے دوران بارگاہ رسالت ﷺ کی حاضری میں امریکہ جانے کا حکم ملا سو چل دیئے — حیران اس بات پر تھا کہ وہاں کیا کر سکیں گے نہ واقفیت ہے نہ زبان پہ عبور مگر وہاں پہنچ کر جس قدر دینی کام ہوا اور امریکہ کے اندر جتنا سفر ہی کیا سب پہ خود کو حیرت ہوتی ہے۔ نسیم صاحب کے ذمے ہے وہ روداد سفر لکھ رہے ہیں۔ امید ہے قارئین المرشد بہت حد تک جان سکیں گے کہ کم وقت میں کتنا زیادہ کام ہوا۔

اللہ کریم ہر چیز پہ قادر ہے جس سے چاہے جو کام لے لے۔ یوں نظر آتا ہے کہ وہاں دینِ اسلام کو پھیلانا منظور ہے اور عاجز کو محض ایک سبب بنا دیا۔

جون ۱۹ سے سالانہ اجتماع شروع تھا۔ بندہ ۲۵ جون کو واپس پہنچا۔ اس سال کا اجتماع بھی اپنی نوعیت کا تھا اور بہت زیادہ حاضری تھی کہ اپنی تمام تر وسعت کے باوجود مسجد تنگ ہو رہی تھی۔ کچھ خانگی مصروفیات تھیں وہ بھی بحسن و خوبی تمام ہوئیں اور اجتماع بھی بہت اچھے طریقے سے اختتام پذیر ہوا۔

آخری دنوں میں خواہش پیدا ہوئی کہ حج بجا فرض ہو جائے۔ اہلیہ بھی خواہشمند تھیں۔ سو دو سیٹوں کے لیے احباب سے کہا تو پتہ چلا کہ اب تو بہت دیر ہو چکی ہے حتیٰ کہ خصوصی سیٹیں بھی ختم ہو چکی ہیں۔ عرض کیا پتہ تو کرالیا جائے۔ یوں پتہ کرانے پر دو سیٹیں مل گئیں اور ۱۶ر جولائی جو بنک کی آخری تاریخ تھی، اس میں رقم جمع کرائی۔ ۲۶ر جولائی کو اجتماع بھی ختم ہوا اور حاجی کیمپ جا کر کاغذات بنوائے اور ۲۹ر جولائی کو اسلام آباد سے اڑ کر کراچی ہوتے ہوئے جدّہ پہنچے۔ عمرہ ادا کیا۔ زیارت بیت اللہ نصیب ہوئی۔ اور رات ایک بجے جدّہ واپس آئے۔ آج یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

جب حج کے لیے سیٹوں کا اہتمام ہوا تو احباب نے بتایا کہ اس دفعہ بہت زیادہ پابندیاں تھیں۔ خیال تھا کہ جدّہ میں زاہد صاحب کے ہاں ٹھہروں گا مگر پتہ چلا کہ حج ٹرمینل سے تو کوئی باہر نہیں جا سکتا۔ معلّموں کی ایسوسی ایشن بنا دی گئی ہے اور معلّم کے نام کی جگہ دفتر کا نمبر ملتا ہے۔ پھر اسی نمبر کی بس آپ کو مکّہ مکرمہ لے جاتی ہے۔ وہاں آپ سے لوگ مل سکتے ہیں۔ اور کئی طرح کی پابندیاں ہیں۔

زاہد صاحب نے اپنے ساتھ حج کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ معلّم بھی ان کا اپنا تھا اور رہائش بھی اسی معلّم کے زیرِ اہتمام منیٰ میں بھی مکان کا اہتمام کہ A.C وغیرہ کی سہولت میسّر ہو۔ باتیں سن کر تو پریشانی ہوئی ــــ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میری تو تیاری بھی نہ تھی۔ اچانک پروگرام بن گیا۔ اب وقت بہت کم ہے کوئی اہتمام کرنا بھی مشکل ہے۔ اگر وہاں جا کر کوئی ایسی رکاوٹ درپیش ہو جو احباب کے لیے بھی پریشانی کا باعث بنے تو ابھی پروگرام بدل لوں۔

فرمایا یہ تو اللہ کریم کا انعام ہے اور امریکہ کے دورہ میں جو دین کی خدمت ہوئی ہے اللہ کریم نے اُسے قبول فرما کر دیا ہے تم کیسے بدل سکتے ہو۔ رہی وہاں کی بات تو اس کی فکر مت کریں انشاء اللہ از خود اہتمام ہوتا چلا جائے گا نہ کوئی رکاوٹ ہوگی نہ کوئی پریشانی۔ تسلّی ہو گئی ــ چنانچہ کل کھلی آنکھوں قدرتِ باری کا تماشہ دیکھا کیے کہ نہایت آرام سے احباب جا کر بورڈنگ کارڈ لے آئے۔ صبح ایئرپورٹ پر نمازِ فجر ادا کی تو اللہ کریم نے ایسا بندوبست کر دیا کہ ہم میاں بیوی کو V.I.P کی گاڑی لے کر گئی۔ احباب اندر جہاز پر سامان رکھ کر سیٹ پر بٹھا کر واپس آئے۔

جہاز کراچی اُترا ــ ہُوا یوں کہ یہ آخری پرواز تھی سو جو حاجی کراچی میں تھے ان کی پرواز منسوخ کر کے اسی جہاز میں انہیں بھی لے لیا گیا کہ اس میں گنجائش باقی تھی۔ دو گھنٹے وہاں

صَرف ہو گئے۔ اس طرح پاکستانی وقت کے مطابق ہم ۱۰ بجے کی جگہ ۱۲ بجے دوپہر جدّہ پہنچے۔ یہاں سُنا تھا بہت رَش کی وجہ سے کافی پریشانی ہوتی ہے مگر اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں جلد ہی فارغ کر دیا گیا بلکہ سوائے اس کے کہ باری کا انتظار کرنا پڑا دہ بھی جگہ ایر کنڈیشن تھی۔ پانی باتھ روم ہر شے میسّر تھی۔ جب امیگریشن کی باری آئی تو اتفاقاً وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ میں نے عربی میں جملہ کہا تو بڑے خوش ہوئے پوچھا آپ عرب ہیں — میں نے عرض کیا نہیں میرا تعلق پاکستان سے ہے تو کہنے لگے "آپ عربی بولتے ہیں —"

"ہاں عربی مجھے محبوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان ہے۔"

سب نے درود شریف پڑھا۔ بڑے خوش ہوئے۔ فوراً مہریں لگائیں — ایسے ہی تلاشی والوں نے فوراً فارغ کیا۔ باہر آئے تو زاہد صاحب منتظر تھے۔ انہیں بڑا فکر تھا کہ یہاں سے نکلنا بہت دشوار ہے۔ گاڑی میں بیٹھے اور چل دیئے۔ اللہ کریم کی شان دیکھئے کسی نے پوچھا ہی نہیں حالانکہ سب کو روک رہے تھے اور کوئی حاجی سوائے معلّمین کی بسوں کے کسی ذریعہ سے باہر نہیں جا سکتا تھا مگر ہم نے ظہر کی نماز زاہد صاحب کے گھر ادا کی۔ آرام کیا اور عصر پڑھ کر عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ زاہد صاحب کہنے لگے کہ میرے پاس تو اجازت نامہ نہیں ہے پھر کاروں کو اندر جانے نہیں دے رہے کہ ایام حج میں شہر سے بہت دُور روک دیتے ہیں پھر بس یا بڑی گاڑی میں ہی اندر جاتے دیتے ہیں — نیز آپ کا تنازل بھی نہیں کروایا کہ ایرپورٹ پر بہت دیر لگ جاتی — میں نے کہا آپ چلیں اللہ کریم اہتمام فرمائیں گے۔ اور وہی ہُوا راستے میں مغرب پڑھی اور چیک پوسٹ پر پہنچے تو زاہد امین اُتر کر گئے اور فوراً پاسپورٹ پر مہر لگوا کر واپس آ گئے — ساتھ میں ایک کار اور بھی تھی۔ اس میں وہ لوگ تھے جو ابوظبی سے حج کے لیے آئے تھے۔ عشاء حرم شریف میں ادا کی۔ اللہ اللہ انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا عمرہ ادا کیا۔ اتنی سخت بھیڑ میں نہ طواف میں کوئی دشواری پیش آئی اور نہ سعی میں۔ بڑے آرام سے عمرہ کر کے رات ایک بجے واپس جدّہ آ گئے آج دن بھر آرام کیا — خیال یہ ہے کہ حج سے پہلے کے دو روز مزید جدّہ کی جماعت کے لیے ایام حج مکّہ مکرمہ والوں کے لیے اور ۲ سے ۱۶ اگست تک مدینہ منوّرہ کی حاضری دے کر واپس چلا جاؤں گا۔ بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضری دی شکریہ ادا کیا اور پروگرام کی منظوری حاصل کی۔ فقیر بابا اللہ کے مہمان ہو، پریشانی کیسے ہو سکتی ہے — یہ غالباً حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کی طرف اشارہ تھا جو آپ نے

فرمایا تھا کہ یہ دورہ دورہ امریکہ کے صلہ میں اللہ کریم کی طرف سے انعام ہے۔ بہت شفقت فرمائی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہی بندہ عاصی کا سرمایہ حیات ہے۔ اللہ کریم اس کیفیت کو قبر تک ساتھ لے جانے کی توفیق بخشے کہ میدانِ حشر میں یہ سرمایہ آخرت بن سکے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

۸ ر ذی الحجہ
۲ ر اگست ۱۹۸۷ء

دو تین روز کچھ نہیں لکھا کہ ہم جدہ میں ہی رہے اور نماز، ذکر اور آرام بس ۔۔ ہاں ایک اہم بات جو اس دوران پیش آئی وہ مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے سامنے ایرانیوں کا فساد تھا۔ یہ ایک بدنصیب فرقہ ہے جن کی اہم عبادت اسلام، ارکانِ اسلام اور بزرگانِ دین کی توہین کے سوا کچھ نہیں ۔۔ سنا ہے مدینہ منورہ میں بھی انہوں نے بہت بدتمیزی کی۔ جلوس نکالے اور نعرہ بازی کی۔ یہاں مکہ مکرمہ میں حرم شریف نے بہت بڑا جلوس نکالا اور ایک طرف سے پورا حرم شریف بند کر دیا اور سخت اشتعال انگیز نعرے لگائے پولیس والوں نے روکنا چاہا تو ان پر پل پڑے۔ کچھ پولیس والے قتل ہوئے گاڑیوں کو آگ لگا دی اور سخت فساد پیدا کر دیا۔ پھر حکومت کے اداروں نے دوائی اور اپنے رنگ میں کی۔ پہلی دفعہ کسی نے ان کا منہ بند کیا ہے۔ مرے بھی زخمی بھی ہوئے گرفتار بھی اور اب بفضل اللہ امن ہے۔ رات ہم جدہ سے کوئی ایک بجے کے قریب نکلے۔ ۲ بجے کے بعد موٹر مکہ پہنچی ۔۔ ۲۵ کے قریب سواریاں تھیں، سب ایک فیملی کے لوگ تھے۔ مرد عورت بچے سب مل کر حج کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز ۔۔ مطاف بہت بھیڑ تھی۔ اللہ کے بندے دیوانہ وار اللہ کے گھر کا طواف کر رہے تھے۔ ہم بھی شامل ہو گئے ۔۔ اور بہت دُور دُور سے چکر لگانا پڑا کہ مستورات کا ساتھ تھا اور بہت زیادہ بھیڑ تھی۔ آخری چکر میں تہجد کی اذان ہو گئی۔ بدقت تمام نوافل ادا کیے اور آبِ زمزم پر پہنچے ۔۔ وہاں سے کافی فاصلہ تھا کہ ہمیں باب عمرہ پر پہنچنا تھا۔ احباب کو وہاں اکٹھے ہونا تھا۔ انسانوں کے سمندر کو چیر کر وہاں تک جانا کارے دارد تھا۔ اللہ کے کرم سے پہنچے۔ تہجد پڑھی پھر اذان ہوئی تو فجر ادا کی۔ سب لوگ جمع ہوئے۔ اب جو باہر نکلے تو سڑکوں پر وہی اژدہام تھا۔ بسیں بھی انسانوں کے سمندر میں تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ہماری گاڑی کوئی دو کلو میٹر دُور تھی وہاں تک پہنچنے میں دو گھنٹے کے قریب وقت صرف ہو گیا اور یوں خدا خدا کر کے بس میں بیٹھے منیٰ آ گئے۔ یہاں ایک بلڈنگ میں قیام ہے ۔۔ دوسری منزل

یہ ایرکنڈیشنڈ کمرے میں کھانے پینے کا بہترین اہتمام ہے۔ ساری رات کے جاگے ہوئے تھے۔ دن بھر آرام کیا اور اب عصر کے بعد یہ چند سطور لکھ دی ہیں۔ اللہ کریم کو منظور ہوا تو کل عرفات، رات مزدلفہ اور پرسوں پھر منیٰ قربانی وغیرہ سے رمی اور جمار سے فارغ ہو کر مزید کچھ لکھ سکیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

۱۱ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ

۵ اگست ۱۹۸۷ء

۹ ذی الحجہ علی الصبح یہاں سے نکلے۔ ابھی رش نہیں تھا لیکن اس کے باوجود گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کا یہ حال کہ منیٰ سے عرفات تک ایک تسلسل تھا بلکہ پیدل چلنے والوں کا تو ایک دریا تھا جو اس سرے سے اس سرے تک رواں دواں تھا۔ ہمارے پاس وہی کوسٹر تھی جو جدہ سے لائی تھی۔ کوئی دو گھنٹے میں تقریباً گیارہ کلو میٹر طے ہوئے اور خدا خدا کر کے عرفات میں اپنے خیمہ میں پہنچے۔ ایک ہی کھلا خیمہ تھا جس میں اس معلم کے سارے لوگ جمع تھے۔ بہت شدت کی گرمی تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ جوں جوں سورج اوپر اٹھ رہا تھا گرمی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا مگر ہر طرف یادِ الٰہی کی بہار تھی۔ مرد عورت، بچے بوڑھے سب اللہ کریم کی یاد میں سرشار تھے۔ کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے کوئی تلاوت کر رہا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں دعاؤں کی کتاب ہے۔

جبلِ رحمت پہ ایک ہجوم تھا۔ خیموں میں سڑکوں پر مسجد میں کہیں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی لوگوں کو قربِ الٰہی کا احساس ایک انوکھی بات سے سرشار کر رہا تھا۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچوں کے رونے میں بھی ایک آرزو محسوس ہوتی تھی اور اللہ قبول فرمائے بلیغ صاحب نے بہت اہتمام کر رکھا تھا پانی شربت، فروٹ، دوائیں، ہر شے مسلسل استعمال ہو رہی تھی۔

زاہد صاحب سے مل کر ذکر اور مراقبات کرتا رہا۔ حتیٰ کہ دوپہر ڈھلنا شروع ہو گئی خطبۂ حج کی آواز سنائی دینے لگی کہ مسجد نمرہ خیمہ گاہ کے قریب ہی تھی۔ احباب نے فیصلہ کیا کہ نماز خیمہ میں ادا کریں گے مگر کوئی چیز دل کو کھینچ رہی تھی۔ سو میں نے کہا بھئی میں تو مسجد جا رہا ہوں سب نے روکا پھر کچھ ساتھ تیار ہو گئے۔ اہلیہ تیار ہوئیں تو دو خواتین بھی ان کے ساتھ تیار ہو گئیں۔ زاہد اور دو ساتھی تیار ہو گئے۔ دھوپ کی شدت اور گرمی بدنوں کو جھلس رہی تھی۔ اگرچہ ہم نے چھتریاں لگا رکھی تھیں مگر وہ بھی تپ رہی تھیں۔ ہاں قدرت باری کا کرشمہ کہ ہوا ٹھنڈی تھی اور اس میں قطعاً کوئی حدت نہ تھی۔ مسجد سے تقریباً دو سو گز دور سڑک پر جگہ ملی۔ وہاں ظہرین ادا کیں اور واپس چل دیئے

بمشکل تمام خیمہ میں پہنچے۔ احباب نے فوراً ٹھنڈے شربت بنائے۔ کچھ دیر سستانے بیٹھے کہ زاہد نے کہا بارگاہِ رسالت میں طلبی ہو رہی ہے۔ فوراً متوجہ ہوئے۔ یہ ایک نرالی حاضری تھی جس میں ازحد شفقت اور رحمت سے نوازا گیا۔ ایک گلے کا ہار عطا ہوا جس کے بارے نہیں کہا جا سکتا کیا چیز ہے۔ ہر موتی سے انوارات کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور اندر ایک خاص روشنی نظر آتی ہے۔ درمیان میں ایک بہت بڑا موتی لاکٹ کی طرح تقریباً چوکور شکل کا ہے جس کا نور اپنی ایک شان رکھتا ہے۔ انہیں لذتوں میں غلطاں تھے کہ عصر کا وقت قریب ہوا تازہ وضو بنایا اور دعا کے لیے کھڑے ہوئے۔ خوب جی بھر کے دعائیں مانگیں۔ احباب کے لیے، حلقہ ذکر کے لیے، قوم اور ملک کے لیے، عالمِ اسلام کے لیے حتیٰ کہ گھنٹہ بھر کھڑے گڑگڑاتے رہے آنسوؤں کی جھڑیاں برساکیں اور یوں وقوف عرفات نصیب ہوا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولیتِ حج کی بشارت دی۔ بلکہ فرمایا جتنے لوگ تمہارے ساتھ ہیں سب کا حج قبول ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔

سورج غروب ہونے کو تھا جب سامان وغیرہ بندھا موٹریں آگئیں۔ پیدل چلنے والے روانہ ہوتے اور چند لمحوں میں ۲۵ لاکھ سے زیادہ کی آبادی پہ ایک دن شہر خالی ہو گیا۔ لوگ مزدلفہ پہنچنا شروع ہوگئے۔ ہم نے بھی کیمپ لگایا۔ مغرب و عشا ادا کی۔ کچھ کھایا پیا اور آرام کرنے لگے۔ حکومت نے یہاں بھی بہت اہتمام کر رکھا ہے۔ ہر طرف روشنی اور پختہ سڑکیں ہیں۔ پانی جگہ جگہ موجود ہے۔ غسلخانے بنے ہوئے ہیں۔

سحری کے وقت نوافل کے لیے ہوٹر بجا تو اٹھے۔ نوافل ادا کیے۔ پھر نماز کے بعد سامان گاڑی میں رکھا جو پاس ہی کھڑی تھی۔ اور عرفات کو روانہ ہوئے مگر چار گھنٹوں میں صرف سو گز آگے بڑھ سکے۔ زاہد کو واپس بھی جانا تھا۔ چنانچہ ہم تو اتر کر پیدل چل نکلے۔ اہلیہ بھی ساتھ تھیں۔ سو ایک گھنٹہ میں منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور کنکریاں مارنے چلے گئے۔ پہلے روز بڑے شیطان کو سات کنکریاں مارنا ہوتی ہیں۔ سو فارغ ہو کر قصر کرایا قربانی ہو چکی تھی احرام کھولا غسل کیا۔ لباس بدل چکے تو دو اور ساتھی آپہنچے سمجھے گاڑی آگئی مگر وہ بھی پیدل آئے تھے اور گاڑی دس گھنٹوں میں چار کلومیٹر طے کر کے پہنچی۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس قدر بھیڑ تھی۔

یہاں کی عید کا دن تھا۔ نہایت سادہ اور پُروقار۔ قربانی کا گوشت کھانے کو ملا اور یوں عید تمام ہوئی۔ حرم شریف میں عید کی نماز ہوتی ہے۔ مقامی لوگ جو حج پر نہیں ہوتے

نماز ادا کرتے ہیں۔ سو آج علی الصبح تہجد کے فوراً
بعد حرم شریف کو روانہ ہوئے۔ طواف کیا اور
سعی کی کہ پہلے روز نہیں کر سکے تھے۔ حرم شریف
کا پورا صحن طواف کرنے والوں سے بھرا ہوا تھا۔
مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، کمزور، طاقتور، امیر
غریب سب دیوانہ وار بیت اللہ شریف کے گرد
گھوم رہے تھے — اسی طرح سعی کی جگہ بھی ہجوم
سے پُر تھی۔ منیٰ سے حرم تک ویسی ہی انسانوں کی
بھیڑ تھی۔ یہ سب کون ہیں۔ انہیں کس نے یہ
ڈھنگ سکھائے۔ کون تھا جو ان کو اللہ کا حضور
عطا کر گیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یہی آپ کی برکات ہیں جنہوں نے ہر مومن کے
دل کو تڑپ دی ہے۔ ایک طریقہ ایک سلیقہ اور
ایک تنظیم عطا کی ہے جس کا نظارہ صرف اور صرف
یہاں نظر آتا ہے — ہم نے تو سعی کے بعد پھر
نفل طواف کیا جو اس وقت بہت مشکل ہو رہا
تھا۔ تھکن سے بدحال تھے مگر شوق کا کیا کیا جائے
کہ دل نہیں بھرتا۔ یوں فارغ ہو کر منیٰ چلے آئے
آج کا کام تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنا ہے۔
اور بس پھر کل مار کر یہاں سے روانہ ہو جائیں گے
انشاء اللہ اور جدہ سے سوئے مدینہ سفر شروع
ہو گا انشاء اللہ۔

۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ہجری

۶ اگست ۱۹۸۷ء

آج منیٰ کا آخری دن ہے۔ صبح فجر کے بعد
درس ہوا۔ بس ایک قسم کی بات تھی جس میں یہ
عرض کیا کہ حج کے نتائج کیا حاصل ہونے چاہئیں
مثلاً یہ کہ حرم پاک کی حاضری میں ایک تقدس ہے
کہ آپ بڑی سنجیدگی سے وقت بسر کرتے ہیں۔
دھکے پڑتے ہیں۔ پاؤں چھلتے ہیں مگر آپ
برداشت کرتے ہیں۔ ایک ایک قدم طواف اور
سعی میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ہیں
ہیں۔ کیا مجال جو کوئی قدم ذکر الٰہی کے بغیر اُٹھے۔
سعی میں وہ عالم نگاہوں میں پھر جاتا ہے کہ
کس طرح بے تابی سے مائی حاجرہ رضی اللہ عنہا نے
یہ چکر لگاتے ہوں گے۔ ایک معصوم جان جس
کی پیشانی میں سے نور محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام سے کرنیں بکھیر رہا ہے کیسے تڑپ رہی
ہے اور پھر قدرتِ الٰہی نے چشمۂ زمزم جاری
فرمایا جو تب سے اب تک کروڑوں لبوں کی
پیاس بجھا رہا ہے۔ کروڑوں دلوں کی ٹھنڈک
اور کروڑوں جسموں کو صحت عطا کر چکا ہے۔
پھر عظمتِ کعبہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی
دعائیں اور برکات۔ یہی تو پتھر ہیں جنہوں نے
تب سے لے کر لاکھوں مقربان بارگاہِ الٰہی
کی پیشانیاں جھکتی دیکھی ہیں انہیں کے سائے میں
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت
فرمایا۔ یہ ان تکالیف کے بھی چشم دید گواہ ہیں
جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے

عشاق نے برداشت کیں۔ یہ فتح مکہ کی شان و
شوکت کے گواہ ہیں۔ اسی حجرِ اسود کو نبیٔ رحمت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چُوما تھا۔ بات وہی ہے

ے سیاہی آنکھ کی لے کر میں تجھ کو نامہ لکھتا ہوں
کہ جب نامے کو تُو دیکھے میری آنکھیں تجھے دیکھیں

کم از کم ان پہاڑوں اور بیت اللہ شریف کے ان
پتھروں پہ تو نگاہ پڑ رہی ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی نگاہوں سے سیراب ہوئے تھے۔
تو کیا یہ کیفیات سب وقتی ہیں۔ کیا ہم انہیں
یہیں مسجدِ حرام میں چھوڑ جائیں گے۔ نہیں۔
ہرگز نہیں۔ یہ خشوع و خضوع یہ سنجیدگی اور
قدم قدم پر ذکرِ الٰہی ہی تو سرمایۂ حیات ہے یہی
وہ جنسِ گراں ہے جو صرف اور صرف اس
جگہ دستیاب ہے۔ اسی کو تو ساتھ لے کر جانا ہے
ایسے ہی چند گھنٹوں کا شہر عرفات جہاں
آدم علیہ السلام اور اماں حوا کی ملاقات ہوئی
جنت کے بچھڑے ہوئے کرۂ ارض پر مل
گئے تین سو سال بعد ایک دوسرے کو دیکھا تو
کس خشوع و خضوع سے دل کی کن گہرائیوں سے
شکر کے جذبات ابھرے ہوں گے۔ یہی
جبلِ رحمت حجۃ الوداع کا چشم دید گواہ ہے۔
اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ
سُنا ہے۔ کیا دردِ دل تھا جو اس روز بٹا
اور کیسے بندگانِ نفس تھے جن میں بندگانِ خدا کو
قربِ خدا نصیب ہُوا۔ یہ آج بھی جو ہر
رنگ اور ہر نسل کا مسلمان بلک بلک کر رو رہا ہے
تو اس کے قلب کو اسی مقدس لمحے سے گداز
نصیب ہو رہا ہے۔ ایک طرح سے ربِ جلیل
کو روبرو دیکھ رہا ہے۔ یہ چند گھنٹے پھر پورا
سال گزرنے کے بعد نصیب ہوں گے۔ نہ جانے
کس خوش نصیب کے حصے میں آئیں تو کیا یہ
کیفیات صرف اسی دن کے لیے ہیں۔ انہیں
اپنا لو۔ جذب کر لو۔ یہ سرمایۂ زندگی ہی نہیں،
سرمایۂ آخرت بھی ہے۔ آج کے دن کی گرمی،
روزِ محشر کی گرمی کا بدل بن جائے گی۔ انشاءاللہ
اور اس روز سایہ مہیا کرے گی جس روز سوائے
عرشِ الٰہی کے کسی جگہ سایہ نہ ہو گا۔ ہاں ہاں یہ
جنسِ گراں مایہ ساتھ لے جاؤ۔ اپنی بقیہ عملی زندگی
میں اسے پیشِ نظر رکھو۔ یہ مزدلفہ کی بے کسی
کی رات وہ اَن سلی چادروں میں قبر کی یاد دلانے
کے لیے کافی نہیں ہے۔ کنکروں پتھروں پہ ساری
شان و شوکت چھوڑ کر رحمتِ الٰہی کی امید میں
پڑے میں پھر منیٰ کی قربانی ایک انعام باری ہے
کہ ایک اولوالعزم رسول نے اپنے معصوم بیٹے کو
اللہ کی راہ میں یہاں لٹا دیا۔ آنکھیں بند کر لیں اور
اللہ کا نام لے کر چھری چلا دی۔ اللہ اللہ وہ ایک
باپ بھی تھا۔ ایک بوڑھا باپ جسے آخری عمر
میں چاند سا بیٹا نصیب ہُوا، مگر اللہ کے حکم کے
مقابلے میں کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں کہ دنیا
اس کے رشتے مال اور اولاد تو بالآخر چھوٹ ہی

جائے گی مگر اطاعتِ الٰہی دو عالم کا خزانہ ہے بھلا اسے کیوں ہاتھ سے جانے دیں۔ چھری چلائی گلا کٹ گیا۔ خون کے فوارے چھوٹے۔ آپؑ نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو بیٹا مسکرا رہا تھا اور جنت کا دنبہ ذبح ہو چکا تھا۔ حیران ہوئے تو وحی نازل ہوئی۔ آپؑ نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یہ میری مرضی کہ دنبہ دے کر اپنے نبی کو بچا لیا۔

مسلمان پر اللہ کا احسان ہے کہ قربانی کے روز دنیا میں جہاں ہو قربانی کرے اور ان برکات و کیفیات سے حصہ پاوے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل پر مرتب ہوئی تھیں۔ مگر جن مسلمانوں کو اسی جگہ پہنچا دیا، اسی وادی میں جس کے پہاڑ اور پتھر اس نظارے کے چشم دید گواہ ہیں جو اسی میدان میں قربانیاں پیش کر رہے ہیں جہاں یہ قربانی ہوئی تھی اور جہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربانی پیش فرمائی اور یوں ہمیں اس عظیم عمل میں شریک ہونے کی سعادت بخشی۔ کیا یہ سب یہیں رہ جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ عہد کر لو کہ ان کیفیات کو ضائع نہیں ہونے دو گے۔ حج سے پہلے جو چھوٹی چھوٹی خواہشات اطاعتِ الٰہی کی راہ میں آڑے آتی تھیں اب بعد حج تو انہیں کاٹ کے رکھ دو گے۔ بلکہ دنیا کی کوئی لذت دولت یا شوکت اور کوئی رشتہ اطاعتِ الٰہی کی راہ میں حائل نہ ہو گا اگر ہوا تو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دو گے۔

انہیں کیفیات کو جذب کر لو میرے بھائی۔ یہی وہ وادی ہے جہاں انصارِ مدینہ کا وفد بیعت کر کے گیا اور اگلے سال دوسرے لوگوں کو لانے کا وعدہ کر گیا۔ اگلے سال زیادہ لوگ آئے۔ رات کے اندھیرے میں انہیں پتھروں پر بیعت کرنے لگے تو حضرت سعدؓ کھڑے ہو گئے کہ اہلِ مدینہ رک جاؤ یہ صرف بیعت نہیں ہے یہ کفر کے خلاف اعلانِ جنگ ہے سارا کفر تم پر ٹوٹ پڑے گا پھر نہ کہنا کہ کاش ہم نے بیعت نہ کی ہوتی ـــــ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم سب کچھ نچھاور کر دیں گے مگر پیچھے نہ ہٹیں گے اور پھر چشمِ عالم نے دیکھا کہ انہوں نے کس قدر قربانیاں دیں۔ آج ہم یہاں ہیں اطاعت کا عہد دہرا رہے ہیں۔ کیا ان جذبات کو ساتھ لے جا سکیں گے۔ اللہ کریم توفیق دے اور ہم یہ حال لے کر لوٹیں۔ ہماری جانیں اور مال گھر بار اور اولاد سب کے لیے اللہ ہو جائے تو حج ہو گیا ہم نے حج کے نتائج کو پا لیا۔ وباللہ التوفیق۔

یہ ان الفاظ کا خلاصہ ہے جو آج بطور درس عرض کیے گئے پھر احباب کے ساتھ ان کے خیمہ میں گیا تو تقریباً دو میل کا سفر تھا اور لوگوں کا اژدہام تھا جو کنکریاں مارنے جا رہے تھے ـــ احباب خیموں میں تھے ہم نے ایک روز عرفات میں گرمی برداشت کی مگر یہ سب لوگ مسلسل اسی حالت میں رہ رہے ہیں اور کمال ہے خوش ہیں

کہ ہمیں اچھے خیمے مل گئے اور یہ یہاں کا معجزہ ہے جو برکاتِ نبویؐ اور رحمتِ الٰہی پہ دلالت کرتا ہے کہ ہر آدمی خوش ہے۔

ایک بار ایک دوست نے جو کارخانہ دار ہے کہا تھا کہ غریبوں میں اللہ اللہ چھوٹی چھوٹی چیزوں پہ خوشیاں بانٹتا ہے۔ کہنے لگا میں کسی مزدور کو پانچ روپے انعام دے دیتا ہوں تو اس کا چہرہ دیکھنے والا ہوتا ہے۔ خوشی سے دمک اٹھتا ہے مجھے پانچ ہزار بھی ملیں تو مسرت کا یہ احساس نہیں ہوتا۔ وہی حال یہاں ہے کہ ہر آدمی خوش ہے کہ میں سب سے آرام میں ہوں۔

پچیس لاکھ کے اس انبوہ میں ایک فرد ایسا نظر سے نہیں گزرا جسے یہاں آنے پر افسوس ہو رہا ہو بلکہ اتنے خوش ہیں کہ ہر سال آنے کی دعا کرتے ہیں۔ پتہ نہیں اللہ کریم نے یہاں کتنی خوشیاں لٹا دی ہیں۔ لوگ گھر بار چھوڑ کر آئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے کاروبار سب کچھ تو یہاں سے بہت دور ہے۔ پھر سب سے بڑی بات کہ بڑی عید بھی خاموشی سے گذر جاتی ہے کوئی نہیں کہتا کہ کاش میں گھر ہوتا۔ سب اس بات کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اللہ نے آج کے دن اس جگہ پہنچا دیا۔ کیا یہ کم حیرت کی بات ہے۔ آدمی شمار سے عاجز ہے کہ کس قدر خوشی مسرت اور سکون اس جگہ بٹتا ہے۔ لو وہ دوست رمی کر کے آ گئے۔ اب سامان بندھے گا۔ جدہ واپسی کی تیاری ہو گی۔ عجیب بات ہے بعض لوگ کس طرح دل کی گہرائی میں اُتر جاتے ہیں۔ مَیں نے دو دوستوں کو خواب میں دیکھا جو پاکستان میں ہیں مگر دل کے اس قدر قریب کہ یہاں بھی ان کا عکس دل سے غائب نہیں ہوتا۔ ان لوگوں نے تو میری نیند پریشان کر دی۔ پتہ نہیں میں ان یادوں کو دل سے کھرچ نہیں سکتا۔ میں کیوں انہیں بھول سکتا۔ یہ سب کیا ہے۔ شاید یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے کہ بعض ساتھی جو اسی منزل کے راہی ہیں اللہ ہی کے لیے یاد رہ جاتے ہیں چلو خدا انہیں سلامت رکھے۔ اور اپنی یاد سے سرفراز فرمائے آمین۔ اچھے دوستوں کی یاد بھی ایک سرمایہ ہے۔ ان کے لیے تو دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے اور انہیں ہر حال میں خوش رکھنا دنیا میں برزخ میں اور میدانِ حشر میں آمین۔

۱۳ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ہجری
۷ اگست ۱۹۸۷ء

کل سہ پہر جدہ پہنچ گئے تھے۔ پچیس آدمی تھے ایک خاندان کی طرح رہے۔ اکٹھے طواف کیے سعی کی عرفات و مزدلفہ میں دعائیں کیں۔ صبح شام ذکر کرتے رہے۔ ساتھ ساتھ درس و بیان ہوتا رہا اب سب کی راہیں جدا ہو رہی ہیں تو سب ایک دوسرے کو پھر ملنے کا کہہ رہے ہیں۔

بڑے اصرار ہو رہے ہیں مگر کوئی نہیں جانتا کہ کس کو کب کس سے ملاقات نصیب ہوگی یا ان کی میٹھی یادیں کبھی کبھی دل کو گدگدایا کریں گی دینی رشتہ کتنا مضبوط کتنا حسین اور کس قدر فرحت بخش ہے کہ جب بھی یہ سفر یاد آئے گا ملاقات کی حسرت کے ساتھ ان لمحات کا پُرسکون اور دل خوش کن جھونکا بھی لائے گا جو باد بہاری کی طرح دل کی کلی کو چُوم چُوم کر گذر جائے گا۔ سو یا تو پھر کچھ لوگوں کو دیکھا۔ یوں تو ساری جماعت عزیز ہے مگر بعض لوگ زبردستی دل میں جگہ بنا لیتے ہیں۔ کثرت سے ساتھ رہ کر یا ساتھ رہنے کا وقت اگرچہ کم ہوتا ہے مگر اتنا خلوص لٹاتے ہیں کہ خود تو چلے جاتے ہیں مگر ان کی یاد وہاں رہ جاتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں کئی دنوں سے مختلف احباب خوابوں میں آ رہے ہیں فی الوقت میں اس کا کوئی تجزیہ نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ بات اِس لیے عجیب لگ رہی ہے کہ میں خواب دیکھنے کا عادی نہیں اور میرے پاس اتنی فرصت بھی نہیں ہوتی بہرحال ان سب کے لیے دل سے خاص دعا نکلتی ہے۔ اگرچہ سب کے لیے دعا کرتا ہوں مگر اختیاری اور غیر اختیاری کا فرق بہرحال موجود ہے

آج میرا خیال ہے کہ چند سطور اس واقعہ فاجعہ کی لکھ دوں جو حرم کعبۃ اللہ میں پیش آیا کہ حافظہ سے قرطاس پہ منتقل ہو جائے کہ اس کی عمر زیادہ ہوتی ہے ـــ گذشتہ جمعہ کو ایران کے نام نہاد حاجیوں نے مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے سامنے جلوس بنانا شروع کیا۔ جلوس مرتب کرنے والے عام لباسوں میں تھے پھر ساتھ وہ ایرانی بھی شامل ہونا شروع ہو گئے جو احرام پہنے ہوئے تھے۔ چند لمحوں میں جلوس ایک اژدہام کی شکل اختیار کر گیا۔ اس بار ۱۵ لاکھ حاجیوں میں تقریباً ۲ لاکھ ایرانی ہیں۔ سو یہ طوفان حرم کعبہ کی طرف بڑھا۔ اور اس طرح پھیل گیا کہ حرم کے ایک طرف کے دروازوں پر قابض ہو جائے۔ پولیس نے روکا مگر اس پر حملہ آور ہوا۔ کپڑوں میں چاقو چھپا رکھے تھے۔ ان سے سپاہیوں کے پیٹ چاک کر دیئے۔ کچھ گاڑیاں وہاں کھڑی تھیں انہیں آگ لگا دی اور حرم شریف کے دروازوں پہ قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ اس پر امن قائم کرنے والے اداروں نے کارروائی کی اور کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہُوا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ نہ صرف وہ جلوس ختم ہو گیا بلکہ حج کے دوران نہایت امن رہا۔ کسی کو شرارت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہم یہ سوچ رہے تھے کہ حرم میں اس طرح سے کسی کے لیے بھی جلوس نکالنا درست نہ تھا کچھ بھی ہو حرم پاک کا تقدس ہے جو بہرحال قائم رکھنا سب مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ سعودی گزٹ جو ایک انگریزی اخبار ہے نے سب تفصیل شائع کر دی۔ ہُوا یہ کہ ان دو لاکھ نام نہاد ۲ لاکھ حاجیوں میں ۲۴ فیصد تو پاسداران انقلاب شامل تھے جو ایران کی نظام زمین فورس ہے اور ۴۶ فیصد دوسری تنظیموں کے رضاکار

شامل تھے صرف ۱۲ فی صد سادہ لوح لوگ تھے جو اپنی دانست میں سارے منصوبے سے بے خبر حج کرنے آئے تھے۔ جب ان لوگوں کے جہاز آئے تو تلاشی اور چیزوں کی تلاش میں ان کے سامان سے دھماکہ خیز مادہ برآمد ہوا۔ یہ بارود ہم۔ ایچ سی تھا جو صرف فوجی مقاصد کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ اور کبھی غیر فوجی استعمال میں نہیں آتا۔ یہ ایک کلوڈزن کا سلیب تھا جو ۹۵ ایرانیوں کے سامان سے برآمد ہوا۔ نہایت ہوشیاری سے چھپایا گیا تھا اور یہ ان ۱۲ فی صد میں سے بوڑھے اور نادار قسم کے لوگ تھے انہیں خود پتہ نہیں تھا بلکہ ان کے سامان جمع کرنے کے بعد اس میں بڑی احتیاط سے رکھ دیا گیا تھا۔ یاد رہے ان سے ان کا سامان پندرہ روز پہلے جمع کر لیا گیا تھا جو انہیں جدہ ایرپورٹ پر دیا گیا۔ اس طرح وہ لوگ بھی کچھ تو پکڑے گئے۔ جنہیں یہ استعمال کرنا تھا۔ انہوں نے سارا منصوبہ اگل دیا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے بیت اللہ کے دروازے بند کر کے حاجیوں کو اندر روک لو اور ان سے خمینی کی بیعت اس بات پر لو کہ خمینی امام ہے اور اب اسی کی اطاعت واجب ہے جو نہ مانے قتل کر دو پھر یک لخت حرم مدینہ اور حرم کعبہ کو اڑا دو کہ کھنڈر بن جائیں امام قابض ہو کر خود تعمیر کر لے گا۔ نیز حاجیوں کے انبوہ میں یہ مادہ استعمال کر دو اور لوگوں کے پرخچے اڑا دو ــــ ایک خاص قسم کا زہر لائے تھے۔ جس کے چند قطرے ایک بڑے ٹینک میں ڈالنے سے سارا زہر بن جاتا۔ اور یہ کہ مہینوں پہلے یہ سارا منصوبہ روس اور اسرائیل کی شہ پر تیار کیا گیا تھا کہ حرمین کے گرنے سے پوری اسلامی دنیا کی کمر ٹوٹ جائے گی العیاذ باللہ۔ نعوذ باللہ من شر ھذا الشیطان لعن اللہ علیہم وعلی اتباعہ اجمعین۔

تاریخ کعبہ میں یہ تیسرا واقعہ ہے۔ پہلا اصحاب فیل کا جب ابرہہ ہاتھی لے کر بیت اللہ شریف کو ڈھانے آیا تھا جس پر اللہ نے ابابیل مسلط فرمائے اور جس کا لشکر وادی محسر میں تباہ ہوا اور اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چند صدیاں بعد قرامطہ نے جو شیعہ ہی کا ایک فرقہ ہے حملہ کیا۔ مطاف میں خون کی ندیاں بہا دیں۔ حاجیوں کے لاشے تڑپتے تھے اور حجر اسود کو نکال کر لے گئے۔ یہ پہلے سے کمتر تھا کہ تھوڑی دیر قابض رہے۔ حجر اسود نکالا اور بھاگ گئے۔ بعد میں کئی برسوں بعد خلیفہ نے ۳۰ ہزار دینار دے کر واپس لیا مگر انہوں نے توڑ دیا تھا۔ سو ان ٹکڑوں پر چاندی مڑھ کر بیت اللہ شریف کی دیوار میں لگایا گیا اور اب تیسرا حملہ خمینی لعین نے تجویز کیا۔ جو ابرہہ کے حملے سے بہت بڑا تھا جس میں حاجیوں کے قتل اور حرم کعبہ کو تباہ کرنے کے ساتھ حرم نبوی کو تباہ کرنے کا منصوبہ بھی شامل تھا مگر اسی اللہ نے جس نے ابرہہ کا لشکر تباہ کیا اس کا بھانڈہ بھی پھوڑ دیا۔

اور یوں یہ سارا منصوبہ اپنی ساری شیطنت کے ساتھ طشت از بام ہو کر رہ گیا۔ جب سب بات سامنے آئی تو افسوس ہو رہا تھا کہ ۲ لاکھ میں ۱۲ فیصد تو کسی رعایت کے مستحق تو سمجھے جا سکتے تھے باقی سب کو زندہ واپس جانے کا کوئی حق نہ تھا انہیں کیوں مہلت دی جا رہی ہے کہ یہ سانپ اسی طرح مسلمانوں کی آستینوں میں پلتے رہیں گے۔ اب یہ حادثہ اس طرح ہوا کہ یہاں کی سیکورٹی پر سارا منصوبہ بظاہر ہو چکا تھا اور آدمی گرفتار ہو چکے تھے مگر جن کے ذمہ جلوس بنا کر ہنگامہ کرنا تھا انہیں خبر نہ ہو سکی۔ اور وہ اپنے وقت پر جب لوگ جمعہ کے لیے حرم کو بھر چکے چھت تک بھری جا چکی تھی کہ انہوں نے اپنا کام دکھانا چاہا۔ ادھر فورسز تیار تھیں — سو جو کچھ ہوا الحمد للہ اچھا ہوا مگر بہت کم ہوا۔ کاش ان سب کو سزا دی جاتی۔ اب تو مسلمان دنیا کو ہوش آنا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے کہ یہ فرقہ اوّل دن سے آج تک اسلام اور مسلمان کا دشمن قطعی کافر اور شیطان لعین کا ایجنٹ ہے۔ اور خمینی مجسم شیطان ہے۔ جس میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کریم عالم اسلام کو اور حرمین شریفین کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

۱۴ر ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ
۸ر اگست ۱۹۸۶ء

رات ۹ بجے جہاز مدینہ منورہ کے ہوائی اڈے پر اُترا۔ اس بار پہلے کی نسبت جلد توفیق حضوری نصیب ہوئی۔ فروری میں ہی یہاں سے دامن عمر کے رخصت ہوئے تھے مگر جی نہیں بھرا تھا لبوں پہ دعا تھی کہ الٰہ العالمین دوبارہ جلدی زیارت نصیب فرمانا الحمد للہ قبول ہو گئی اور حج کی سعادت کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ کی حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ یہاں سے واپسی پر حضرت جی رحمۃ اللہ کے مزار پر حاضری دی تو دل کی عجیب حالت تھی۔ واپس پر جیپ ڈرائیو کر رہا تھا مگر دل کہیں اور تھا۔ اس حال میں چند شعر موزوں ہو گئے آپ بھی سُن لیں۔

میں جو روتا ہوں لپٹ جاتا ہے آکر مجھ سے
اور اشکوں کو مرے پلو میں چھپا لیتا ہے
تیرا تصور بھی مگر میری طرح سے ہمدم
بے تکلف ہے بہت سینے سے لگا لیتا ہے
جو بن پہ ہے گنبدِ خضرا کے مکیں کی محفل
تُو ہے ناداں غیر کی چوکھٹ پہ صدا دیتا ہے
گو بظاہر تو ہے دُور یہ محفل لیکن
دل اگر زندہ ہو پل بھر میں دکھا دیتا ہے
سینے میں تیرے اُٹھتے ہیں طوفان فقیر
ہے عجب بات کہ پلکوں میں چھپا لیتا ہے

اللہ نے قبول فرمائی اور پھر آج آنکھیں گنبدِ خضریٰ کے نظاروں سے سیراب ہو رہی ہیں۔ عشاء تو یہاں پہنچ کر ادا کی۔ مسجدِ نبوی صبح حاضر ہوئے اور نماز ادا کر کے واپس آ گئے۔ پھر کوئی دس بجے کے قریب

حاضر ہُوا۔ اہلیہ ساتھ تھی سو آرام آرام سے گذرتے رہے اور اسے بھی مختلف مقامات کے بارے میں بتاتا رہا کہ روضۂ اطہر کے سامنے جا پہنچے ۔۔۔ صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ ہر حاضری کی اپنی کیفیت ہوتی ہے اور ہر آدمی کی اپنی حالت جیسے کہا گیا ہے۔ ؎

اے ترا با ہر دلے رازے دگر
ہر گدا را بر درت نازے دگر

سو بابِ جبریل کی طرف سے صحنِ مسجد میں آئے تو وہ مستورات کے جنگلے کے اندر چلی گئیں اور میں مردانہ حصّہ میں گنبدِ خضرٰی کے روبرو بیٹھ گیا۔ حاضری ہوئی اور ساری جماعت جو حلقہ ذکر میں شامل ہوئی کی حاضری ہوئی۔ سب کے لیے دعا ہوئی پھر بندہ کو ایک ہار اور عطا ہُوا جو پہلے کی طرح ہے مگر اس سے ذرا بڑا اور رنگت گلابی۔ احباب کے سلام عرض کیے۔ عالمِ اسلام ملک اور قوم کے لیے دعا کی درخواست کی اور پھر غیر ارادی طور پر عرض کیا یارسول اللہ مجھے لطائف کرا دیجیے اور حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ذاتی طور پر ہر لطیفہ پر توجہ دے کر ذکر کرایا پھر باقاعدہ مراقبات فنا فی اللہ تک سیر کعبہ۔ فنا فی الرسول اور آخری منازل تک توجہ سے سرفراز فرمایا۔ اس وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد یاد آیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ آخر میں اب مجھے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے براہِ راست توجہ ملتی ہے اور یہ نعمت مدتوں بعد کسی خوش نصیب کے حصّہ میں آتی ہے۔ اللہ کریم کی بخشش سے یہ لذت بھی نصیب ہوئی۔ ظہر تک وہیں رہے اور حضورؐ کے فیوضات سمیٹا کیے۔ بعد ظہر وہاں سے واپسی ہوئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا آخری عمرہ یاد آیا۔ وہ جگہ سامنے تھی جہاں وقتِ رخصت ہاتھ باندھ کر کھڑے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ تمام بدن پر لرزہ طاری تھا۔ میری سمجھ میں آیا کہ یہ حضرتؒ کا آخری سفرِ مدینہ ہے اور وہی ہوا پھر حضرتؒ یہاں حاضر نہ ہو سکے ۔۔۔ مَیں نے ۲۵ سالہ رفاقت میں صرف اور صرف اس لمحے حضرت کو روتے دیکھا۔ ورنہ عزم و ہمت کا کوہِ گراں تھے۔ دیکھیں نہ جانے کونسا سفر ہمارا بھی آخری سفر ثابت ہو۔ اللہ کرے مرنے سے پہلے حرمین الشریفین کی حضوری نصیب ہو۔ آمین۔

۲۰ ذی الحجہ، روز جمعۃ المبارک
۱۴ اگست ۱۹۸۷ء

کئی دنوں سے کچھ نہیں لکھا کہ حسبِ سابق معمولات رواں تھے۔ تین دن مسلسل براہِ راست توجہ نصیب ہوئی۔ چوتھے روز حاضر ہُوا تو پتہ چلا کہ اب از خود ذکر اور مراقبات کرنا ہیں تو سمجھ آئی کہ تین توجہ ہی تھیں جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پوری فرما دیں۔ مشائخ عظام اور خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب کسی آدمی کو حلقہ ذکر میں داخل فرماتے تو تین بار توجہ فرماتے اور حدیثِ جبریلؑ

سے سند لیتے تھے کہ جب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو جبریلِ امین نے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین بار بھینچا تھا۔ سو تین روز مسلسل توجہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال رحمت اور کمال شفقت سے نوازا۔ پھر حسبِ سابق مسجدِ نبویؐ میں بیٹھ کر روزانہ ذکر کیا کرتا ہوں۔ صبح شام احباب جمع ہو جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے ساتھی زاہد صاحب جدہ سے آگئے۔ مختار صاحب طائف سے۔ ایک ساتھی ریاض سے۔ اس طرح بحمداللہ رونق بنی ہوئی ہے۔ کچھ ساتھی جیزان سے آئے ہوئے ہیں۔ آج اکثر کی واپسی ہے۔ کل انشاءاللہ عشاء کے بعد ہم بھی جدہ چلے جائیں گے اور وہاں سے پاکستان واپسی ہوگی۔

کل زیارات کے لیے گئے تھے۔ شہدائے احد، جبل احد، مسجد قبلتین، خمسہ مساجد، اور مسجد قبا کے بعد کچھ دیر جنت البقیع میں رہے کہ روافض کے ہجوم گریہ کناں تھے۔ پھر صلوٰۃ و سلام کے لیے حاضر ہوئے اور آج جمعہ ادا کر کے فارغ ہوئے ہیں اور کل انشاءاللہ یہاں سے روانگی ہوگی۔ اس دعا اور حسرت کے ساتھ کہ پھر جلدی حاضری نصیب ہو۔ کہ اپنی ذات، وجود، جان و مال کا مصرف ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یعنی آپؐ کے لائے ہوئے دینِ برحق کی خدمت ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری حیثیت کیا۔ ایک بار عرض کیا تھا ؎

ہم تو جیتے ہیں فقط تیرے لیے
اور بتا دہر میں رکھا کیا ہے

کاش یہ حقیر کوششیں اور پُر تقصیر بندہ ہمیشہ کے لیے شرفِ قبولیت سے باریاب ہو۔ آمین یا الٰہ العالمین بحرمۃ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

- اور کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کی یہ شان نہیں ہے کہ جب حکم دے دے اللہؐ اور اس کا رسولؐ کسی بات کا تو اُن کو کچھ اختیار اپنے معاملہ میں۔
- جس دن ڈالے جائیں گے اوندھے اُن کے منہ آگ میں کہیں گے کاش ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور رسولؐ کا۔
- جس بندے نے سات سال تک ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آتشِ دوزخ سے برات لکھ دی جاتی ہے۔ (فرمانِ نبویؐ)

پنجگانہ نمازمیں سُنتیں اور نوافل

(ڈاکٹر محمد دین ـ پنڈی گھیب)

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رکن رکین اور لازمۂ ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دی ہے۔ پھر اُن میں سے جن کے لیے حضورؐ نے تاکیدی الفاظ فرمائے یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپؐ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا اُن کو عرفِ عام میں "سنّت" کہا جاتا ہے اور ان کے ماسوا کو "نوافل" ـــ

(نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی تمام نمازوں کو "النوافل" کہا گیا ہے)

پھر جن سنّتوں یا نفلوں کو فرض سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے بظاہر ان کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالےٰ کے دربار عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے، اور ملأ اعلیٰ سے ایک "قرب" مناسبت پیدا کر لی جائے ـــ اور جن سنّتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہیں، ان کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو اس کا کچھ تدارک بعد والی سنّتوں اور نفلوں سے ہو جائے ـــ (بطور جملہ معترضہ کے ہمیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن نمازوں سے پہلے یا

بعد میں سنتیں یا نفل پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحتًہ منع کیا گیا ہے، اس کی کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو انشاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی۔)

اس مختصر تمہید کے بعد سنن و نوافل کے متعلق حدیثیں پڑھیئے :۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک محل تیار کیا جائے گا۔ (ان بارہ کی تفصیل یہ ہے) چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔"

(رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضہ سے روایت ہے کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں، اور مجھ سے بیان کیا میری بہن اُم المومنین حفصہ رضہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔"

(رواہ بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا :

"فجر کی دو رکعتیں سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔" (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو، تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو)"

(رواہ سنن ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے، کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت اور نوافل میں کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔"

(رواہ صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہیے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد اُن کو پڑھے۔" (رواہ ترمذی)

حضرت ابوایوب انصاری رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں۔ جن میں

سلام نہ پھیرا جائے - یعنی چار مسلسل
پڑھی جائیں اُن کے لیے آسمان کے
دروازے کھل جاتے ہیں۔

(رواہ سنن ابو داؤد و سنن ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ظہر
سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپؐ نے نہیں پڑھی
ہوتی تھیں تو آپؐ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے
بعد پڑھتے تھے۔" (رواہ الترمذی)

حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ سے روایت ہے کہ
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی
ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں
برابر پڑھا کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی
آگ حرام کر دے گا۔"

(رواہ مسند احمد، ترمذی، سنن ابی داؤد،
سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر رضؓ سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اللہ کی رحمت اُس بندے پر جو
پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔"

(مسند احمد، ترمذی، سنن ابی داؤد)

حضرت عمار رضؓ بن یاسر رضؓ کے صاحبزادے
محمد بن عمار رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے
والد ماجد عمار رضؓ بن یاسر رضؓ کو دیکھا کہ وہ مغرب
کے بعد چار رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے
تھے جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں نماز پڑھے گا
اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے - اگرچہ وہ کثرت
میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔"

(رواہ الطبرانی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت
ہے کہ "کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز پڑھ
کے (آرام فرمانے کے لیے) میرے
پاس تشریف لائے ہوں اور آپؐ
نے چار یا چھ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔"

(رواہ سنن ابی داؤد)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"قیامت کے دن تین قسم کے آدمی
مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں
گے - ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا
میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے
آقا کا بھی - دوسرا وہ آدمی جو کسی
جماعت کا امام بنا (اور لوگ اس کی نیک عملی
اور پاک سیرتی کی وجہ سے) اس سے
راضی اور خوش رہے اور تیسرا وہ بندہ
جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے
اذان دیا کرتا تھا۔"

(جامع ترمذی)

مِسواک کی اہمیت

(عبدالغفور ـــ منارہ اکیڈمی)

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے، اُن میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ "اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میری اُمّت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک اُن پر لازم کر دیتا"۔

مسواک کے جو طبّی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے۔ آج کل کا ہر صاحبِ شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت راضی کرنے والا عمل ہے۔

اِس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں پڑھیئے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔" (رواہ شافعی واحمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ:

"اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری اُمّت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔" (بخاری ومسلم)

حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ کے فرشتے جبرئیل جب بھی میرے

پاس آئے ہر دفعہ انہوں نے مجھے مسواک کے لیے ضرور کہا۔ خطرہ ہے (جبرئیل کی اس بار بار تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصے کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔"

(مسند احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سو کر اٹھتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی فرماتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہو جاتے)۔ (رواہ مسلم)

شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ — تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسواک کرتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چار چیزیں پیغمبروں کی سنت میں سے ہیں۔ ایک حیا، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھا نکاح کرنا۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دس چیزیں ہیں جو امورِ فطرت میں سے ہیں (۱) مونچھوں کا ترشوانا (۲) داڑھی کا چھوڑنا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا (۵) ناخن ترشوانا (۶) انگلیوں کے جوڑ کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے) اہتمام سے دھونا (۷) بغل کے بال لینا (۸) موئے زیر ناف کی صفائی کرنا (۹) اور پانی سے استنجا کرنا۔" حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا دسویں چیز میں بھول گیا ہوں اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔"

(صحیح مسلم)

تشریح:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز پر اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں —

فرماتے ہیں :

"یہ دس عملی باتیں جو طہارت و لطافت سے تعلق رکھتی ہیں، ملّتِ حنفیہ کے موستس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے منقول ہیں اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنفیہ اُمتوں میں عام طور پر اُن کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اِس لیے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملّتِ حنیفی کے شعائر ہیں ــــ اور ہر ملّت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جس سے ان ملّت والوں کو پہچانا جا سکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جا سکے۔ تاکہ اس ملّت کی فرمانبرداری اور نافرمانی، احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرینِ حکمت ہے۔ شعائر ایسی چیزیں ہوں، جو نادر الوقوع نہ ہوں اور نہ ان معتد بہ فوائد ہوں، اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں ــــ اس کو سمجھنے کے لیے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہیئے :-

جسمِ انسانی کے بعض حصّوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم الفطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث سے ــــ یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہُوا کرتی ہے۔ بغل میں اور زیر ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا یہی حال ہے۔ اس لیے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔ اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے ــــ اور داڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لیے شرف اور جمال ہے اور اس سے ان کی مردانہ ہئیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور وہ سنّتِ انبیا ہے۔ اِس لیے اس کا رکھنا ضروری ہے اور اس کا صاف کرانا ہنود و جنود اور اکثر غیر مسلموں کا طریقہ ہے ــــ نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نچلی سطح کے لوگ عموماً داڑھیاں نہیں رکھتے۔ اِس لیے داڑھی نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے میں کھُلا ہُوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج

ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لیے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہ ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں۔ اِس واسطے مونچھوں کو ترشوانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کلی اور پانی کے ذریعے ناک کی صفائی، اور مسواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام، انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچیل رہ جاتا ہے۔ صفائی و پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت و اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلے میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر گنی فضیلت رکھتی ہے۔" (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

●●

بقیہ: اسلام اور دورِ جدید

ان کو اتنے بلند مراتب اس واسطے سونپے گئے کہ انھوں نے کرۂ امتحان یعنی دنیا میں اپنی مرضی نہیں کی۔ بلکہ ہر کام میں رضائے الہٰی کو تلاش کیا ہے یہی منشائے خدا بھی ہے۔ یہی مومن کی معراج ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

- نماز قائم کیجئے
- نماز مومن کی معراج ہے۔
- نماز جنت کی کنجی ہے۔

آپ خود "المرشد" کے خریدار بنیئے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں سے متعارف کرائیے ـــ یہ آپ کا دینی فریضہ ہے۔